ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

"مجھے اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ اسلام نے تلوار کے ذریعہ اپنا مقام نہیں بنایا، کیونکہ اس دور کے حالات اس کے لیے سازگار نہیں تھے۔ اصل میں رسول خدا کی انتہائی سادگی اور اپنے آپ کو لٹا دینے کی حد تک وقف کر دینے، وعدوں کو وفا کرنے اور انس و محبت، اپنے دوستوں اور پیروؤں کے ساتھ ان کی بے خوفی، خدا اور اپنے مشن پر مکمل اعتقاد کے سبب انھیں کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ ان باتوں کی وجہ سے ہر الجھن دور ہوئی اور تمام مشکلات رفع ہوئیں اور آپ نے فتح پائی نہ کہ تلوار کے بل بوتے پر کامیابی حاصل کی۔"

"مہاتما گاندھی"

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریاگنج

شمارہ نمبر ۲	ذو الحجة ۱۴۲۵ھ فروری ۲۰۰۵ء	جلد نمبر ۳۹

معاون مدیر	مدیر مسؤل
انیس احمد فلاحی مدنی	ابوالمکارم ازہری فلاحی

☆ طلبہ کے لئے: ۸۰ روپے	☆ سالانہ زرتعاون: ۹۰ روپے
☆ اعزازی زرتعاون: ۱۰۰۰ روپے	☆ خصوصی زرتعاون: ۲۰۰ روپے
☆ اس شمارہ کی قیمت: ۹ روپے	☆ بیرون ملک: ۲۵ امریکی ڈالر

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوچکی ہے۔ لہذا جلد از جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

✿✿ مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے ✿✿

ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ **مجلہ حیات نو**، جامعة الفلاح

بلریاگنج، اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۱۲۱

Phone: 05466-225115

☆ ادار یـــــه :

سونامی طوفان	انیس احمد مدنی	۳

☆ روشنی کا سفر :

عائشہ باکسٹر	محمد یونس فلاحی	۵

☆ بحث و نظـــر :

سماع حدیث اور اس کی روایت (آخری قسط)	ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب	۸

☆ مقالات :

تورات میں بشارات محمد ﷺ (۵)	ابوطوبی فلاحی	۱۳
قربانی کی عبادت (ایک عظیم سنت ابراہیمی)	مولانا کلیم اللہ	۱۵
اسلام میں عیدین کی اہمیت	اختر علی اصلاحی	۲۷
فلائی ایک بھولا بسرا ملک	ڈاکٹر خالد محمود ترمذی	۳۸

☆ تاثرات و احساسات :

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک	ایوب بیگ مرزا	۴۱

☆ فقہ و فتاویٰ :

دعوت ولیمہ کا حکم	ابو ارقم فلاحی	۴۶
دعوت ولیمہ کا مستحب حکم		۴۶

☆ جامعہ کے لیل و نہار :

ڈاکٹر عبدالحئی ازہری صاحب کا توسیعی خطاب	ادارہ	۴۷
نتائج انتخابات جمعیۃ الطلبہ و طالبات		۴۷
اظہار تعزیت		۴۸
نو واردان بساط چمن		۴۸

ادار یہ

سونامی لہروں کا پیغام

انیس احمد فلاحی

کرسمس ڈے کے اگلے دن علی الصباح ٹھیک چھ بجے جنوبی ایشیا اور مشرق بعید کے کئی ملکوں میں سمندری زلزلے نے ایشیا میں قہر برپا کر دیا۔

انڈونیشیا، سری لنکا، تھائی لینڈ، ملیشیا، میانمار کے علاوہ جنوبی ہند کی ساحلی ریاستوں و جزیروں میں زبردست قیامت مچادی۔ بتایا گیا ہے کہ گزشتہ چالیس برسوں میں آنے والا یہ شدید ترین اور اکیسویں صدی کے آغاز سے اب تک کا پانچواں زلزلہ تھا۔ اس زلزلے میں تقریباً تین ہزار کلو میٹر کا علاقہ بری طرح متاثر ہوا ہے۔ دو لاکھ سے زائد افراد ہلاک اور کئی لاکھ متاثر ہوئے ہیں۔

زلزلے کیوں آتے ہیں: ماہرین کہتے ہیں زمین کا اندرونی حصہ نہایت گرم سیال کی شکل میں ہے جس کا مشاہدہ آتش فشاں پہاڑوں سے نکلنے والے لاوا کی شکل میں ہوتا ہے۔ یہ مادہ مختلف شکلوں میں زمین کی سطح کو متاثر کرتا ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات زمین کے اوپر زبردست گڑگڑاہٹ کی آواز محسوس ہوتی ہے اور کشاکش کی وجہ سے جھٹکے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی کا نام زلزلہ ہے۔ یہ زلزلے ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ ہم ایک سرخ پگھلے ہوئے نہایت گرم مادے کے اوپر آباد ہیں جس سے صرف ۵۰ کلو میٹر کی ایک پتلی چٹانی تہہ ہم کو الگ کرتی ہے جو زمین کے مقابلے میں ویسی ہی ہے جیسے سیب کے اوپر اس کا باریک چھلکا۔ ایک جغرافیہ داں کے الفاظ میں ہمارے آباد شہروں اور نیلے سمندروں کے نیچے ایک قدرتی جہنم (Physical Hell) دہک رہا ہے۔ اسی کو حدیث میں یوں تعبیر کیا گیا ہے: "اِنَّ تحت البحر ناراً" (ابوداؤد) یقیناً سمندر کے نیچے ایک عظیم آگ موجود ہے۔

یہ زلزلے ہمیں بتاتے ہیں کہ زمین کا مالک کس طرح زمین کے موجودہ نظام کو توڑنے پر پوری طرح قادر ہے۔

جب قیامت کا وقت آئے گا تو صور اسرافیل کے ذریعہ ایک زبردست زلزلہ سے پوری زمین

بیک وقت ہلا دی جائے گی۔ ''اذا زلزلت الأرض زلزالها'' یاد کرو اس وقت کو جب زمین پوری شدت کے ساتھ ہلا ماری جائے گی۔ جس کی وجہ سے سمندروں کی تہیں پھٹ جائیں گی۔

'' و اذا البحار فجرت '' (الانفطار:۳) اور پھر سمندروں کا پانی زمین کے اس اندرونی حصہ میں اترنے لگے گا جہاں ہر وقت ایک انتہائی گرم لاوا کھولتا رہتا ہے۔ پھر اس لاوے تک پہنچ کر پانی اپنے ان دو ابتدائی اجزاء کی شکل میں تحلیل ہو جائے گا جن میں ایک یعنی آکسیجن جلانے والی اور دوسری یعنی ہائیڈروجن بھڑک اٹھنے والی ہے اور یوں تحلیل اور آتش افروزی کا ایک ایسا مسلسل ردعمل (Chain Reaction) شروع ہو جائے گا کہ جس سے دنیا کے تمام سمندروں میں آگ لگ جائے گی۔ '' و اذا البحار سجرت '' (اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے: تکویر:۶)۔

یہ عظیم زلزلہ جب آئے گا تو اس پورے کائنات کی بساط لپیٹ دی جائے گی۔ وہ دن بڑا سخت ہوگا اور جب وہ دن آئے گا تو سارے زمین و آسمان کو الٹ دے گا۔ وہ ایک نئی دنیا بنائے گا جہاں سچ سچ کی شکل میں ظاہر ہوگا اور جھوٹ جھوٹ کی شکل میں، کوئی نہ خود دھوکے میں رہے گا اور نہ دوسرے کو دھوکا دے سکے گا۔ نہ کسی کا زور چلے گا نہ سفارش کام آئے گی۔ اس دن تیرے الفاظ کے گھروندے بکھر جائیں گے۔ تیرے جھوٹے فلسفے بے دلیل ثابت ہوں گے۔ تیری فرضی امیدیں تجھے دھوکا دے دیں گی۔ تیرا اقتدار تیرے کچھ کام نہ آئے گا تیرے خود ساختہ بت تجھے جواب دے دیں گے۔

آہ... انسان کس قدر بے سہارا ہوگا اس روز حالانکہ اسی دن اس کو سب سے زیادہ سہارے کی ضرورت ہوگی۔ وہ کتنا محروم ہوگا اس روز حالانکہ اسی دن وہ سب سے زیادہ پانے کا محتاج ہوگا۔

انسان! آج ہی سن لے کیونکہ کل تو سنے گا مگر اس وقت تیرا سننا بیکار ہوگا۔ آج ہی سوچ لے کیونکہ موت کے بعد تو سوچے گا مگر اس وقت کا سوچنا تجھے کچھ کام نہ آئے گا۔ لہذا آج ہی آخرت کے دن کے لئے تیاری کر ورنہ آج کے بعد آگے تیرے لئے جہنم ہے وہاں تجھے کچ لہو کا سا پانی پینے کو دیا جائے گا جسے تو زبردستی حلق سے اتارنے کی کوشش کرے گا اور مشکل سے ہی اتار سکے گا۔ موت ہر طرف سے تجھ پر چھائی رہے گی مگر تو مرنے نہ پائے گا اور آگے ایک سخت عذاب تیری جان کو لاگو رہے گا۔

☆☆☆☆☆

روشنی کا سفر

عاکفہ باکسٹر

Akifah Baxter

ترجمہ و تلخیص: محمد سہیل فلاحی
ایم۔اے۔انگلش

''اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہے۔ اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا ان مردوں پر جو طفیلی ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردہ کی باتوں سے ابھی واقف نہیں ہوئے اور اپنے پیر کو زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور ظاہر ہو جائے۔ اور مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ'' (سورۃ النور: ۳۱)

میں خدا کے وجود کی ہمیشہ سے قائل رہی ہوں۔ ہمیشہ میں نے یہ محسوس کیا کہ خدا ہر جگہ موجود ہے۔ کبھی کبھی یہ احساس میرے اندر مبہم طور پر پیدا ہوتا تھا مگر میں ہمیشہ نظر انداز کر دیتی تھی۔ البتہ اس حقیقت سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں اپنی پوری زندگی حق کی متلاشی رہی۔ اسی جستجو میں میں نے بہت سے چرچ کا دورہ کیا۔ وہاں پر دعائیں کی۔ مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والوں سے میں نے گفتگو بھی کی۔ البتہ ہمیشہ مجھ کو ایسا لگا کہ جو باتیں یہ لوگ کر رہے ہیں وہ درست نہیں ہے اور الجھاؤ سے پُر ہے۔ اور میں نے ان کی گفتگو سے ہمیشہ اس چیز کو غائب پایا جس کی مجھ کو تلاش تھی۔ کوئی بات نہیں، میرا خدا پر ایمان ہے اگرچہ میرا کسی مذہب سے تعلق نہیں ہے۔ وہ تمام لوگ جن سے میں نے

باتیں کی اپنے موقف میں کمزور اور غلط لگے۔ یہ میرا ان سے ملنے کے بعد احساس تھا اور میں کبھی بھی یہ نہیں چاہتی کہ اسی احساس کے تحت اس کو قبول کرلوں۔ میں جانتی تھی کہ اگر خدا کا وجود ہے تو وہ مجھ کو یونہی بھٹکتا ہوا نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ ضرور ہماری ہدایت کے لئے کوئی سچا مذہب اور پیغمبر بھیجے گا اور مجھے اسی مذہب کی تلاش تھی۔

مختلف گرجا گھر جہاں پر میں نے تلاش وجستجو جاری رکھی وہ میرے علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ انہیں کے درمیان میں پروان چڑھی تھی اور ان کے مذہبی پیشواؤں کی گفتگو میں مجھے کچھ حد تک صداقت لگ رہی تھی۔ تاہم اس حقیقت پر کہ عبادت کیسے کی جائے؟ کس کی کی جائے؟ کون ہمارے لئے نجات دہندہ بن سکتا ہے؟ کس طرح کا آدمی نجات حاصل کرسکتا ہے؟ ان تمام چیزوں پر ان کے درمیان بے شمار اختلاف پایا جاتا تھا۔ اور مجھ کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ ایک دن مجھے اپنی اس تلاش سے پیچھے ہٹنا ہی پڑے گا اس لئے کہ خدا اور اس کے وجود کے تعلق سے ان کی گفتگو بہت زیادہ مبہم اور خصوصاً میرے لئے بہت زیادہ مایوس کن تھیں۔

ایک دن ایسا ہوا کہ میں کچھ کتابیں خریدنے کی غرض سے ایک بک اسٹور گئی اور کتابوں کا انتخاب کرتے کرتے میں اس سکشن میں چلی گئی جہاں پر مذہب اور دیگر نظریات سے متعلق کتابیں دستیاب تھیں۔ اس وقت جب میں بہت سی عیسائیت پر مبنی کتابیں دیکھ رہی تھی میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ہوسکتا ہے اسلام پر بھی یہاں کچھ کتابیں ہوں۔ اب تک میں اسلام کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ اور جب میں نے ایک کتاب کا انتخاب کیا تو میں بہت زیادہ اشتیاق سے بھری ہوئی تھی اور جس چیز کی وجہ سے میں بہت زیادہ جذباتی ہوگئی وہ اس کتاب پر لکھا ہوا ایک بیان تھا کہ "اللہ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا معبود یا لائق عبادت نہیں ہے اور ہر طرح کی بندگی اور عبادت صرف اسی کو زیب دیتی ہے"۔ یہ جملہ بظاہر بالکل سادہ لگ رہا تھا مگر معنویت کے اعتبار سے بہت زیادہ طاقتور اور دل ودماغ کو جھنجھوڑ رہا تھا۔ اس طرح وہاں سے میں نے اسلام پر جو کتابیں یا مضامین ملے سب کا باقاعدہ مطالعہ شروع کردیا۔ جس چیز کا بھی میں نے مطالعہ کیا میرے ذہن میں آسانی سے اترتی گئی۔ اور بہت دنوں سے جو ایک تذبذب میرے ذہن پر سوار تھا وہ دھیرے دھیرے ختم ہوتا گیا اور اس کی جگہ دھیرے دھیرے خدا

کی وحدانیت کی ایک واضح تصویر میرے سامنے ظاہر ہونے لگی۔ میرے جذبات کا یہ عالم تھا کہ میرا دل ہر وقت اس چیز کے مطالعہ کے لئے تیار رہتا تھا جس کا تعلق اسلام سے ہو۔ اور جب میں نے قرآن کا باقاعدگی سے مطالعہ کرلیا تو مجھے محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بے پایاں احسان ہے کہ اس نے مجھ کو اس مقدس کتاب کو پڑھنے کا اہل بنایا۔ میں جانتی تھی کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر محمد ﷺ کے ذریعہ انسانوں کی ہدایت کے لئے اس دنیا میں نازل فرمائی ہے۔ اور مجھ کو ایسا لگا کہ میں ہمیشہ سے مسلمان رہی ہوں البتہ اب تک اپنے ایمان واسلام سے نابلد تھی۔ اب میں ایک راسخ العقیدہ مسلم کی حیثیت سے زندگی گذار رہی ہوں۔

میں ایک طرح کا سکون اور تحفظ محسوس کررہی ہوں کہ جو کچھ اب میں سیکھ رہی ہوں یا کررہی ہوں وہ درست ہے اور اللہ سے قریب کرنے والا ہے۔ اللہ سے میری آخر میں یہی دعا ہے کہ وہ مرتے دم تک میری رہنمائی کرتا رہے اور اپنے سچے دین پر چلنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(بحوالہ مسلم یوتھ: جولائی ۲۰۰۳ء)

☆☆☆☆☆

بحث ونظر

سماع حدیث اور اس کی روایت
(آخری قسط)

ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب
جامعہ دمشق

[۸] "وجادۃ"

وجادۃ، وَجَدَ يَجِدُ کا مصدر ہے۔ اہل عرب سے یہ لفظ ثابت نہیں۔ محدثین کے نزدیک اس کا اطلاق اس علم پر ہوتا ہے جو کسی صحیفہ سے سماع، اجازت اور مناولہ کے بغیر حاصل کیا گیا ہو۔ جیسے کوئی شخص اپنے ہم عصر کی کوئی کتاب پائے جس کی تحریر وہ پہچانتا ہو خواہ اس ہم عصر سے ملاقات ثابت ہو یا نہ ہو یا ہم عصر کی کتاب پائے لیکن اس کتاب کی نسبت پر اسے اہل فن کی شہادت کی بنا پر یا کسی دوسرے ذریعہ سے یقین ہو جو اس کتاب کی نسبت کو یخ ثابت کر رہا ہو جیسے کتاب کا اپنے مؤلف کے نام کے ساتھ مشہور ہونا۔ تو اگر اس شخص کو اس کتاب کی نسبت پر یقین ہو جائے تو اس کے لئے بر سبیل حکایت اس سے روایت کرنا جائز ہے۔ بعض سلف صحائف اور کتابوں سے روایت کو جائز سمجھتے تھے لیکن اس کے باوجود بھی ابتدائی صدیوں میں تحمل علم کا یہ ذریعہ نایاب تھا کیونکہ جمہور اہل علم، سماع اور عرض کے ذریعہ روایت کو ترجیح دیتے تھے بلکہ بعض تو صحیفوں سے روایت کو عیب شمار کرتے تھے۔ اور اس بابت ان کے درمیان یہ جملہ ضرب المثل بن گیا تھا:

"لا تقرؤا القرآن على المصحفيين ولا تحملوا العلم عن الصحفيين"

"قرآن مصحف دیکھ کر پڑھنے والوں سے حاصل نہ کرو اور نہ ہی علم حدیث کتابوں سے روایت کرنے والوں سے اخذ کرو"

عہد تابعین میں "وجادہ" کے ذریعہ مروی روایات محدودے چند ہیں جنھیں اہل علم جانتے تھے۔ اور یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ تابعین میں سے کوئی بھی "وجادہ" کے ذریعہ روایت اس وقت تک بیان نہیں کرتا تھا جب تک اسے صاحب کتاب کی نسبت کے صحیح ہو جانے کا یقین

نہ ہو جاتا۔ متقدمین کے یہاں بھی یہ شرط معتبر ہے۔

"وجادہ" کے ذریعہ روایت کرنے والے محدثین "حدثنا" یا "أخبرنا" کا صیغہ نہیں استعمال کرتے تھے بلکہ وہ اس امر کی صراحت کرتے ہوئے "وجدت فی کتاب فلان"، "قرأت فی کتاب فلان کذا و کذا" یا اس کے مماثل صیغے استعمال کرتے تھے۔ اور کتابوں سے نقل کرنے کی صورت میں بھرپور امانت کا استعمال کرتے ہوئے اس نقل کی صراحت کرتے تھے۔ مثلاً مسند الامام احمد کے اس نسخہ میں جس کے راوی ان کے لڑکے عبد اللہ ہیں آپ جا بجا یہ عبارت دیکھیں گے "وجدت بخط أبي: حدثنا فلان" یا "وجدت بخط أبي في كتابه" اور پھر وہ پوری روایت کو بیان کرتے ہیں۔ آپ اپنے والد کے شاگرد بھی تھے۔ ان کی تحریر کو بخوبی پہچانتے بھی تھے۔ ان کی کتابیں آپ کے پاس محفوظ بھی تھیں پھر بھی آپ براہ راست ان سے روایت کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔

اسی طرح بعض علماء سے یہ منقول ہے "وجدت فی کتاب أبي فلان، وأخبرني محمد بن سلمة انه خط أبي فلان......"

راوی کو اگر کتاب کی نسبت میں کچھ شک ہو تو ایسا صیغہ استعمال کرے جس سے اس شک کی جانب اشارہ مل رہا ہو مثلاً یوں کہے "بلغني عن فلان" فلاں شخص سے مجھے یہ بات پہنچی ہے۔ یا "وجدت في كتاب ظننت انه كتاب فلان" میں نے یہ بات فلاں کتاب میں پائی جس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ وہ فلاں کی کتاب ہے۔

"وجادہ" سے حاصل شدہ روایت پر عمل جمہور اہل علم کے نزدیک اگر اس کی سند صحیح ہو تو واجب ہے۔

وہ "وجادہ" جو مستند اور معتبر ہو اور جس کی نسبت کے صحیح ہونے پر محققین کو اعتماد ہو اخذ و تحمل میں اس کی قدر و قیمت "اجازۃ" سے کم نہیں۔ کیونکہ "اجازت" بھی حقیقت میں "وجادہ" ہی ہے البتہ اس کے ساتھ شیخ کی جانب سے روایت کی اجازت بھی شامل ہے۔ چنانچہ جب کوئی راوی وجادہ کے ذریعہ روایت کرتا ہے اور اس بات کی توضیح کرتا ہے کہ اس کی روایت فلاں کا قول جو ان کی فلاں کتاب میں مذکور ہے تو وہ پوری امانت کے ساتھ اس خبر کو نقل کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ صرف یہ بات کہی جاسکتی ہے

اس طریقہ تحمل میں ناقل اور استاذ کے درمیان سند متصل نہیں ہے لیکن پھر بھی شیخ سے نقل کرنے میں گویا شبہ اتصال پایا جا رہا ہے۔

معتبر اور قابل اعتماد "وجادہ" کے ذریعہ مروی روایات میں کسی کو شک نہیں کرنا چاہئے کیونکہ آج صحیح اور معتبر کتابوں سے جو حدیثیں بھی ہم نقل کرتے ہیں اور ایسے ہی مختلف علوم وفنون کی کتابوں سے جو اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں وہ بھی درحقیقت "وجادہ" کی ایک نوع ہے۔ تو اگر وجادہ کے ذریعہ سماع اور روایت کا سلسلہ موقوف ہو جائے تو منقولات پر عمل کا دروازہ بند ہو جائے گا کیونکہ اب سماع کا سلسلہ کہیں پایا نہیں جاتا۔

اخذ وتحمل کے مذکورہ بالا طریقوں پر ایک طائرانہ گفتگو کے بعد یہ بات کھل کر ہمارے سامنے آئی کہ بعض سلف اخذ وتحمل کے طرق کے باب میں متشددانہ رویہ کے حامل تھے۔ اتصال سند، تحمل میں احتیاط اور ادائیگی کے وقت مکمل بیداری اور سنت کی حفاظت کی انھوں نے بھرپور جدوجہد کی۔ خصوصاً نشر واشاعت کے وسائل اس دور میں نایاب تھے جس کی بناء پر انھیں حفظ حدیث اور تحمل وروایت کے طریقوں میں تدقیق وتحقیق کے لئے بے پناہ جدوجہد کرنی پڑی۔ اے کاش سنت کے محفوظ ہو جانے کے بعد ہم سلف صالحین کی جدوجہد کا عشر عشیر بھی سنت کی تنفیذ اور اس پر عمل کرنے میں لگاتے۔

ادائیگی کے صیغے:

علماء نے روایت حدیث کے وقت اس بات کی بھرپور کوشش کی ہے جس طریقہ تحمل سے انھوں نے حدیث کو حاصل کیا ادائیگی کے صیغے کے ذریعہ اس کی توضیح ہو جائے۔ اور چونکہ تحمل کے بعض طریقے دوسرے طریقوں سے علمی لحاظ سے متفاوت ہوتے ہیں لہذا علماء کا تقریباً شبہ اتفاق ہے اس امر پر کہ سماع وقرأت کے ذریعہ اخذ کیا گیا علم دوسرے طریقوں سے اخذ کئے گئے علم سے ممتاز ہو اور علاحدہ ہو کیونکہ یہ دونوں طریقے تو شیخ سے براہ راست اخذ پر قائم ہیں جبکہ بقیہ طرق ایسے نہیں ہیں۔

متقدمین کے یہاں سماع کے ذریعہ حاصل کردہ علم کی ادائیگی کے وقت راوی "سمعت" یا "حدثنا" یا "اخبرنا" یا "انبانا" استعمال کرتا اور ان تمام الفاظ کے معنی بیان کرنا اور خبر دینے کے آتے ہیں۔ بعد میں "اخبرنا" کا لفظ "قرأت" کے لئے مخصوص ہو گیا۔ مذکورہ بالا چاروں صیغوں میں سے لفظ

"اخبرنا" زیادہ مستعمل تھا یہاں تک کہ بعض محدثین سماع اور قرأت کے لئے اس لفظ کے علاوہ کسی اور صیغہ کو استعمال ہی نہیں کرتے تھے۔

مذکورہ بالا صیغوں میں سب سے ارفع واعلیٰ "سمعت" کا صیغہ ہے اسی لئے بعض علماء اس صیغہ کے استعمال پر سختی سے عمل کرتے رہے اور اسے دوسروں سے مقدم رکھا۔ کیونکہ اجازت ومکاتبہ کے ذریعہ حاصل شدہ روایات کے بیان کے لئے کسی نے بھی اس صیغہ کا استعمال نہیں کیا ہے اور نہ ہی غیر مسموع روایات کی تدلیس کے لئے کہیں یہ صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اسی لئے یہ صیغہ دوسرے صیغوں سے اعلیٰ وبرتر اور فائق رہا۔

سماع کے لئے "قال" یا "ذکر لی" کا صیغہ شاذ ونادر ہی کہیں استعمال ہوا ہے۔ اور یقیناً یہ صیغہ سماع پر اس وقت محمول کیا جائے گا جب اس کا استعمال ایسے راوی نے کیا ہو جس کی شیخ سے ملاقات ثابت ہو اور خصوصاً اس وقت جب یہ بات معلوم ہو کہ وہ "قال" کا صیغہ صرف مسموع حدیث کی روایت ہی کے وقت استعمال کرتا ہے۔

اور شیخ کے پاس پڑھی گئی مرویات کی ادائیگی کے وقت "قرأت علی فلان" کا صیغہ استعمال کرتے ہیں اور قاری دوسرا رہا ہو تو "قرئ علی فلان وانا اسمع" کا صیغہ استعمال کرے۔ یہ سب سے محتاط صیغہ ہے۔ قدیم حدیث کی کتابوں اور ان کے سماع کے اظہار کے لئے عموماً یہی صیغے مستعمل تھے۔

بعض علماء "قرأت علی الشیخ" کے لئے "حدثنا او اخبرنا۔ قراءۃ علیہ" بھی استعمال کرتے ہیں اور بعض جمہور محدثین "قرأت علی الشیخ" کے ذریعہ کی گئی احادیث کی روایت کے لئے "اخبرنا" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

اکثر محدثین اور حجاز وکوفہ کے علماء نے "عرض علی الشیخ" کے لئے "حدثنا واخبرنا" کی اجازت دی ہے۔ جبکہ عبداللہ بن المبارک اور یحیی بن یحیی التمیمی وغیرہ نے اس سے منع کیا ہے۔

مختصراً یہ کہ "قرأت علی الشیخ" کے ذریعہ حاصل کی گئی روایات کی روایت کے لئے "حدثنا" اور "اخبرنا" کے اطلاق پر علماء کی تین رائیں ہیں:

[۱] ان صیغوں کا استعمال ممنوع ہے۔ ابن المبارک وغیرہ

[۲] جائز ہے کیونکہ قرأت سماع کی طرح ہے۔ بخاری اور اکثر محدثین

[۳] ''حدثنا'' کا اطلاق سماع کے لئے اور ''أخبرنا'' کا اطلاق عرض کے لئے جائز ہے۔ یہ مسلک امام مسلم اور جمہور اہل مشرق کا ہے۔

اب ''أخبرنا'' ہی کا صیغہ عرض کے لئے شائع اور مستعمل ہے۔

سماع اور عرض کے لئے محدثین نے لفظ ''عن'' کا استعمال شاذ و نادر ہی کیا ہے کیونکہ یہ صیغہ اکثر تدلیس کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اسی لئے محدث کا یہ صیغہ ''حدثنا فلاں قال: حدثنا فلاں'' اس صیغہ سے اعلیٰ و ارفع ہے ''حدثنا فلان عن فلان''۔

اور لفظ ''عن'' کو سماع پر محمول کیا جائے گا جب اس کا قائل تدلیس نہ کرتا ہو یا ایسے راوی نے اس کو استعمال کیا ہو جس کی ملاقات اس کے شیخ سے ثابت ہو۔

جمہور اہل علم کے نزدیک اجازت و مناولہ کے ذریعہ اخذ کئے گئے علم کی ادائیگی کے لئے ایسی عبارت کا استعمال ضروری ہے جس میں طریقہ اخذ کی جانب اشارہ ملتا ہو جیسے اجازہ کے لئے یوں کہے ''أخبرنا فلان اجازۃ'' یا ''فیما أجازنی فلان''۔

اور مناولہ کے لئے ''أخبرنا مناولۃ'' یا ''فیما ناولنی و أجازنی'' وغیرہ۔ اور بعض علماء ''مناولہ'' کے لئے بھی ''قال'' یا ''عن فلان'' استعمال کرتے تھے۔

مکاتبہ کے لئے جمہور کے نزدیک ''کتب الیّ فلان قال: حدثنا فلان'' استعمال ہوتا تھا۔

اعلام کے لئے بھی ایسے صیغے کا استعمال واجب ہے جس سے اس کے طریقہ اخذ پر روشنی پڑتی ہو جیسے یوں کہے: ''فیما أعلمنی شیخی أن فلانا حدثہ'' وغیرہ۔

وصیت کے ذریعہ حاصل کی گئی روایات کی روایت کے وقت قائلین کے نزدیک ایسے صیغے کا استعمال لازمی ہے جن سے اس طریقہ اخذ پر روشنی پڑتی ہو جیسے یوں کہے ''وصی الی فلان'' ''أخبرنی فلان بالوصیۃ'' ''وجدت فیما أوصی الی فلان أن فلانا حدثہ بکذا و کذا''۔ متقدمین میں سے کسی نے بھی وصیت کے ذریعہ روایت بیان نہیں کی ہے۔

وجادہ کے ذریعہ اخذ شدہ علم کی روایت کے وقت جمہور محدثین کے نزدیک اس کی توضیح واجب ہے جیسے یوں کہے ''وجدت فی کتاب فلان'' وغیرہ۔ ☆☆☆☆☆

مقالات

توریت میں بشارات محمدیہ ﷺ

(۵)

ابوطوبیٰ فلاحی

بارہویں بشارت:

کتاب دانیال کے دوسرے باب میں اس خواب کا تذکرہ ہے جسے بابل کے بادشاہ بخت نصر نے دیکھا تھا اور بھول گیا تھا اور پھر دانیال نبی نے وحی کی روشنی میں اس خواب اور اس کی تاویل یوں بیان کی:

''اے بادشاہ تو نے ایک بڑی مورت دیکھی وہ بڑی مورت جس کی رونق بہت زیادہ تھی تیرے سامنے کھڑی ہوئی اور اس کی صورت ہیبتناک تھی۔ اس مورت کا سر خالص سونے کا تھا اس کی رانیں تانبے کی تھیں، اس کی ٹانگیں لوہے کی اور اس کے پاؤں کچھ لوہے کے اور کچھ مٹی کے تھے۔ تو اسے دیکھتا رہا یہاں تک کہ ایک پتھر ہاتھ لگائے بغیر ہی کاٹا گیا اور اس مورت کے پاؤں پر جو لوہے اور مٹی کے تھے لگا اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تب لوہا اور مٹی اور تانبہ اور چاندی اور سونا ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور تابستانی کھلیان کے بھوسے کی مانند ہوئے اور ہوا ان کو اڑا لے گئی یہاں تک کہ ان کا پتہ نہ ملا اور وہ پتھر جس نے اس مورت کو توڑا ایک بڑا پہاڑ بن گیا اور تمام زمین میں پھیل گیا۔ وہ خواب یہ ہے اور اس کی تعبیر بادشاہ کے حضور بیان کرتا ہوں۔ اے بادشاہ تو شہنشاہ ہے جس کو آسمان کے خدا نے بادشاہی و توانائی اور قدرت و شوکت بخشی ہے۔ اور جہاں کہیں بنی آدم سکونت کرتے ہیں اس میدان کے چرندے اور ہوا کے پرندے تیرے حوالے کر کے تجھ کو ان سب کا حاکم بنایا ہے۔ وہ سونے کا سر تو ہی ہے اور تیرے بعد ایک اور سلطنت برپا ہوگی جو تجھ سے چھوٹی ہوگی۔ اور اس کے بعد ایک اور سلطنت تانبے کی جو تمام زمین پر حکومت کرے گی اور چوتھی سلطنت لوہے کی مانند مضبوط ہوگی اور جس طرح لوہا توڑ ڈالتا ہے اور سب چیزوں پر غالب آتا ہے ہاں جس طرح لوہا سب چیزوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا اور کچلتا ہے اسی طرح

وہ ٹکڑے ٹکڑے کرے گی اور کچل ڈالے گی۔ اور جو تو نے دیکھا کہ اس کے پاؤں اور انگلیاں کچھ تو کمہار کی مٹی کی اور کچھ لوہے کی تھیں سو اس سلطنت میں تفرقہ ہوگا مگر جیسا کہ تو نے دیکھا کہ اس میں لوہا مٹی سے ملا ہوا تھا وہ بنی آدم سے آمیختہ ہوں گے لیکن جیسے لوہا مٹی سے میل نہیں کھاتا ویسے ہی وہ بھی باہم میل نہ کھائیں گے اور ان بادشاہوں کے ایام میں آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کرے گا جو تا ابد نیست نہ ہوگی اور اس کی حکومت کسی دوسری قوم کے حوالہ نہ کی جائے گی بلکہ وہ ان تمام مملکتوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور نیست کرے گی اور وہی ابد تک قائم رہے گی جیسا تو نے دیکھا کہ وہ پتھر ہاتھ لگائے بغیر ہی پہاڑ سے کاٹا گیا اور اس نے لوہے اور تانبے اور مٹی اور چاندی اور سونے کو ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ خدا تعالیٰ نے بادشاہ کو وہ کچھ دکھایا جو آگے کو ہونے والا ہے اور یہ خواب یقینی ہے اور اس کی تعبیر یقینی۔''

(باب۲/۳۱-۴۹)

پہلی سلطنت سے مراد بخت نصر کی حکومت اور دوسری سلطنت سے مراد مادیین کی حکومت جنھوں نے بادشاہ صر بن بخت نصر کو قتل کرکے دیار فارس پر اپنا تسلط جمایا تھا۔ اور اس کی حکومت کلدانیوں کی سلطنت کے مقابلے میں ضعیف اور کمزور تھی۔ اور تیسری سلطنت سے مراد کیانیوں کی سلطنت ہے اور چوتھی سلطنت سے مراد اسکندر بن فیلقوس رومی کی سلطنت ہے جس نے دیار فارس پر ۳۳۰ ق م میں اپنا تسلط جمایا۔ چنانچہ اسکندر قوت وطاقت میں لوہے کے مانند تھا۔ پھر اس نے فارس کی سلطنت کو طوائف الملوکی کا شکار بنا دیا۔ چنانچہ یہ سلطنت ساسانیوں کے ظہور تک بالکل کمزور رہی پھر ان کے ظہور کے بعد بھی کمزور اور کبھی طاقت ور ہوتی تھی۔ ان کے عظیم شہنشاہ ''نوشیرواں'' کے عہد میں محمد عربی ﷺ پیدا ہوئے جنھیں اللہ تعالیٰ نے ظاہری وباطنی دونوں مملکتوں سے نوازا۔ اور آپ کے پیروکاروں نے مختصری مدت میں مشرق ومغرب میں اپنا قبضہ جمالیا اور فارس کے تمام علاقوں پر اپنی حکومت قائم کرلی۔ یہ خواب اور اس کی تعبیر اسی دیار فارس سے متعلق ہے۔ تو خواب میں مذکور ابدی سلطنت یہی محمد عربی ﷺ کی ابدی سلطنت ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی اور نہ کسی اور کو عطا کی جائے گی۔

''وہ پتھر جو ہاتھ لگائے بغیر ہی پہاڑ سے کاٹا گیا اور اس نے لوہے اور تانبے اور مٹی اور چاندی اور سونے کو ٹکڑے ٹکڑے کیا'' اس سے مراد محمد عربی ﷺ ہیں۔

☆☆☆☆☆

مقالات

قربانی کی عبادت

ایک عظیم سنت ابراہیمی

مولانا کلیم اللہ صاحب، دارالافتاء، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

قربانی کی تاریخ

کسی حلال جانور کو اللہ تعالیٰ کے تقرب کی نیت سے ذبح کرنا اس وقت سے مشروع ہے جب سے حضرت آدم علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے اور دنیا آباد ہوئی۔ سب سے پہلے قربانی حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں (ہابیل وقابیل) نے دی۔ قرآن کریم میں ہے۔

اذ قربا قرباناً فتقبل من احدهما ولم يتقبل من الآخر. (سورة المائدة: ۲۷)	جب نیاز (قربانی) کی دونوں نے کچھ نیاز اور مقبول ہوئی ایک کی دوسرے کی مقبول نہ ہوئی۔

ابن کثیر نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں نقل فرمایا ہے کہ ہابیل نے ایک مینڈھے کی قربانی پیش کی اور قابیل نے ایک کھیت کی پیداوار سے کچھ غلہ وغیرہ صدقہ کرکے قربانی پیش کی۔ حسب دستور آسمان سے آگ نازل ہوئی اور ہابیل کے مینڈھے کو کھا لیا اور قابیل کی قربانی کو چھوڑ دیا۔ اس لئے قربانی کے قبول ہونے یا نہ ہونے کی پہچان انبیاء سابقین کے عہد میں یہ تھی کہ جس قربانی کو اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتے تو ایک آگ آسمان سے آتی اور اس کو جلا کر خاک کر دیتی۔ سورہ آل عمران میں اس کا ذکر صراحۃً آیا ہے: بقربان تاكله النار. (آل عمران)

اس زمانہ میں بذریعہ جہاد جو مال غنیمت کفار سے ہاتھ آتا تھا تو اس کو بھی آگ نازل ہو کر کھا جاتی تھی اور یہ جہاد کے مقبول ہونے کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی انعام ہے کہ قربانی کا گوشت اور مال غنیمت ان کے لئے حلال کر دیئے گئے ہیں۔ حدیث میں رسول ﷺ نے اپنے خصوصی فضائل اور انعامات الٰہیہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''احلت لی الغنائم'' یعنی

میرے لئے مال غنیمت حلال کردیا گیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ عہد نبوی کے بعض غیر مسلموں نے اپنے اسلام قبول نہ کرنے کا ایک عذر پیش کیا تھا کہ پچھلے انبیاء علیہم السلام کی قربانیوں کو تو آگ کھا جایا کرتی تھی آپ کے زمانہ میں ایسا نہیں ہوتا اس لئے ہم اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک یہ صورت ظاہر نہ ہو۔ سورہ مائدہ میں ان کے اس عذر لنگ کو بیان کرکے یہ جواب دیا گیا ہے کہ جن انبیاء کے زمانہ میں قربانیوں کو آگ نے کھایا تھا تم انہیں پر کون سا ایمان لائے ہو تم نے تو ان کی بھی تکذیب ہی کی تھی، بلکہ ان کے قتل تک سے دریغ نہ کیا تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ تمہارا یہ قول کسی حق طلبی کے مد میں نہیں بلکہ حیلہ جوئی کے سوا کچھ نہیں۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۸۳: ''حتی یاتینا بقربان تاکله النار'' سے آیت ۱۸۴ تک یہی مضمون مذکور ہے۔

سورۂ مائدہ کی آیات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ جانور کی قربانی سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے عبادت اور تقرب الٰہی کا ذریعہ قرار دی گئی ہے۔ اور آل عمران کی آیات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ قربانی کی قبولیت کا ایک خاص طریقہ کہ آسمانی آگ آکر اس کو جلا دے یہ خاتم الانبیاء ﷺ کے عہد مبارک تک تمام انبیاء سابقین کے دور میں معروف رہا جیسا کہ قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے معلوم ہو رہا ہے:

ولکل امة جعلنا منسکاً لیذکروا اسم اللّٰہ علیٰ ما رزقھم من بھیمة الأنعام. (سورة الحج: ۳۴)	اور ہدایت کے واسطے ہم نے مقرر کردی ہے قربانی کہ یاد کریں اللہ کے نام ذبح پر چوپایوں کے جو ان کو اللہ نے دیئے۔

قربانی کا ایک عظیم الشان واقعہ اور سنت ابراہیمؑ

قربانی کا بحیثیت عبادت کے مشروع ہونا اگرچہ آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ثابت ہے لیکن اس کی ایک خاص شان حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کے ایک واقعہ سے شروع ہوئی ہے۔ اور اسی کی یادگار کی حیثیت سے شریعت محمدیہ میں قربانی کو واجب قرار دیا گیا ہے یہ واقعہ تاریخ عالم کا ایک

بے نظیر اور سبق آموز واقعہ ہے۔ قرآن کریم نے اس کو سورۃ الصافات میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اسلام میں مسئلہ قربانی کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے مرکزی نقطہ یہی واقعہ ہے۔ اس لئے اس کا جتنا حصہ قرآن کریم اور مستند روایات سے ثابت ہے اس کو نقل کیا جاتا ہے۔ قرآنی ارشاد ہے:

فلمّا بلغ معه السعي قال یا بنيّ انّي اریٰ في المنام انّي اذبحک فانظر ماذا تریٰ. (سورة الصافات: ۱۰۲)	جب یہ بچہ اس قابل ہوگیا کہ باپ کے ساتھ چل کر ان کے کاموں میں مددگار بن سکے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے کہا کہ میرے پیارے بیٹے میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں، بتاؤ اس میں تمہاری کیا رائے ہے۔

مطلب یہ تھا کہ انبیاء کا خواب بھی بحکم وحی ہوتا ہے۔ اس لئے خواب میں ذبح کرتے ہوئے دیکھنا حکم ذبح کے مرادف ہے، اب تم بتاؤ کہ کیا تم اس حکم خداوندی کی تعمیل کے لئے تیار ہو؟

حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلاۃ والسلام کو حکم خداوندی کے بعد کسی سے مشورہ لینے کی نہ ضرورت تھی اور نہ ان کے نزدیک تعمیل حکم اس پر موقوف تھا۔ لیکن یہاں صاحبزادے سے مشورہ لینے میں حکمت یہ تھی کہ اول تو ان کے عزم و ہمت اور اطاعت خداوندی کے جذبے کا امتحان ہو جائے دوسرے اگر وہ اطاعت اختیار کریں تو مستحق ثواب ہو جائیں۔ کیونکہ ثواب کا مدار قصد و نیت پر ہے۔ تیسرے ذبح کرنے کے وقت بہ تقاضائے بشریت و شفقت پدری، طبعی اضطراب و لغزش کا خطرہ تھا اس سے کسی درجہ میں اطمینان ہو جائے۔

آیت مذکورہ میں یہ الفاظ خصوصیت سے قابل توجہ ہیں ''فلمّا بلغ معه السعي'' یعنی جب وہ باپ کے ساتھ چلنے کے قابل ہوگئے۔ اس میں اشارہ ہے کہ یہ صاحبزادے جن کے ذبح کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے یہی نہیں کہ بڑھاپے کے اکلوتے بیٹے اور تمناؤں اور دعاؤں کے بعد حاصل ہوئے ہیں بلکہ اب وہ پل کر جوان ہونے کے قریب ہیں اور اس قابل ہیں کہ باپ کے ساتھ سعی و عمل میں ان

کی امداد کرسکیں۔ تاریخی روایات کے مطابق اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تو ے سال ہو چکی تھی۔ ان حالات نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کو کتنا صبر آزما کر دیا ہے اس کا اندازہ لگانا بھی آسان نہیں۔

والد بزرگوار نے سعادت مند بیٹے سے مشورہ لیا تو وہ بھی خلیل اللہ علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔ والد بزرگوار کا خواب سن کر فرمایا :

یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین. (سورۃ الصافات: ۱۰۲)	یعنی ابا جان آپ وہ کام کر گزریں جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ مجھے آپ ان شاء اللہ تعالیٰ صابرین میں سے پائیں گے۔

یہاں جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بڑھاپے میں اکلوتے اور ہونہار بیٹے کو قربان کرنے کا حکم ایک انتہائی سخت امتحان تھا اسی طرح صاحبزادے کے لئے اطاعت شعاری میں جان کی بازی لگا دینا بھی کوئی معمولی بات نہ تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس پورے خاندان ہی کو اپنے لئے بنایا تھا اسی کے آثار ان کے افعال و اعمال سے ظاہر ہوئے۔

یہاں حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جذبۂ اطاعت تو قابل دید ہے ہی، یہ بات بھی سبق آموز ہے کہ انہوں نے اپنے ارادے اور عزم و ہمت پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ اللہ کے سپرد کر کے ان شاء اللہ فرمایا اور پھر یہ نہیں کہا کہ میں صبر کروں گا بلکہ فرمایا مجھے آپ صابرین میں سے پائیں گے جو ایک تواضع کا عنوان ہے کہ صبر و استقلال تنہا میرا کمال نہیں اللہ کے ہزاروں بندے صابر ہیں۔ میں بھی ان میں داخل ہو جاؤں گا۔ اسی تفویض اور تواضع کی برکت تھی کہ اس دشوار گزار منزل کے کسی بھی مرحلے میں ان کے قدم کو لغزش نہیں ہوئی اور یہ یگانۂ روزگار باپ اور بیٹے طبعی تقاضوں اور زندگی کی امنگوں کو کچلتے ہوئے اپنے آپ کو قربان کرنے اور کرانے کے لئے قربان گاہ کی طرف چل پڑے۔ حضرت ابراہیم خلیلؑ کے لئے جو کٹھن منزل سامنے تھی فرمانبردار بیٹے کے اس جواب نے اس کو کسی قدر آسان کر دیا۔ اب یہ پیکر عزم و ہمت باپ اور بیٹے حکم خداوندی کی تعمیل کے لئے گھر سے چل کھڑے ہوئے۔

شیطانی چالیں

اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کا یہ عظیم الشان مظاہرہ شیطان کس طرح دیکھ سکتا تھا۔ یہ جانتے ہوئے کہ مقابلہ پر اللہ کے خلیلؑ جیسے کو وہ استقامت میں اپنی تدبیروں سے باز نہ آیا۔ سب سے پہلے اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہؑ کے پاس ایک مہربان و ہمدرد کی شکل میں آیا اور پوچھا کہ اسماعیل کہاں گئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اپنے والد کے ساتھ جنگل سے لکڑیاں چننے گئے ہیں۔ شیطان نے کہا کہ بات یہ نہیں، تم غفلت میں ہو ان کے باپ ان کو ذبح کرنے کے لئے لے گئے ہیں۔ حضرت ہاجرہ نے کہا کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کو ذبح کیا کرتا ہے؟ شیطان نے کہا کہ ہاں، وہ یہ کہتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسا حکم دیا ہے۔ یہ سن کر اکلوتے بیٹے کی ماں نے بھی وہی جواب دیا جو خلیل اللہ کے گھرانے کی شایان شان تھا کہ اگر واقعہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے تو پھر ان کو اس کی تعمیل ہی کرنا چاہئے۔

شیطان یہاں سے مایوس ہو کر اب باپ اور بیٹے کے تعاقب میں لگ گیا جو شہر مکہ سے منیٰ کی طرف جا رہے تھے۔ اول ایک دوست کی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے آ کر ان کو روکنا چاہا مگر حضرت خلیلؑ نے شیطان لعین کی دشمنی کو سمجھ لیا۔ اس لئے آپ پر اثر انداز ہونے میں شیطان ناکام رہا۔ اس کے بعد جمرۂ عقبیٰ کے قریب ایک بڑے جثہ کی صورت میں آپ کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ ایک فرشتہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ تھا اس نے کہا کہ حضرت ابراہیمؑ اس کو پتھر سے مارو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سات کنکریاں ماریں اور ہر ایک کے ساتھ اللہ اکبر کہا تو شیطان ہٹ گیا۔ آگے بڑھ کر پھر جمرۂ وسطیٰ کے قریب اسی طرح راستہ روک لیا تو پھر حضرت ابراہیمؑ نے تکبیر کہہ کر سات کنکریاں ماریں تو دفع ہو گیا۔ اسی طرح تیسری مرتبہ جمرۂ اولیٰ کے پاس پہنچ کر راستہ گھیر لیا حضرت خلیلؑ نے پھر وہی عمل کیا اور آگے بڑھ کر قربانی کی جگہ پہنچ گئے۔

فلما اسلما و تلہ للجبین. (سورۃ الصافات: ۱۰۳)	جب باپ اور بیٹے اس عظیم قربانی کے لئے تیار ہو گئے اور باپ نے بیٹے کو قربان کرنے کے لئے چہرہ کے بل کروٹ پر لٹا دیا۔

اس طرح کرانے میں تواضع بھی تھی اور حکمت بھی کہ اکلوتے بیٹے کا چہرہ سامنے آ کر کہیں ہاتھ میں غیر اختیاری لغزش نہ آ جائے۔

بعض روایات میں ہے کہ اس حالت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ ابا جان آپ کے پاس میرے کفن کے لئے کوئی کپڑا نہیں۔ اس لئے تکلیف ہوگی بہتر یہ ہے کہ میرا کرتا صاف و سفید ہے اس کو اتار لیجئے تاکہ کفن کے کام میں آ جائے۔ مقدس باپ کرتا اتارنے لگے اسی حالت میں ایک غیبی آواز نے معاملہ کی کایا پلٹ دی۔

حضرت اسماعیلؑ کے فدیہ میں دنبے کی قربانی

و ناديناه أن يا ابراهيم قد صدقت الرّؤيا.	یعنی ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم آپ نے خواب سچا کر دکھایا۔

(سورۃ الصافات: ۱۰۴)

اور اس کے ساتھ ہی ایک دنبہ حضرت اسماعیلؑ کی جگہ پر قربانی کے لئے نازل کر دیا گیا۔ ''وفديناه بذبح عظيم'' یعنی ہم نے اسماعیلؑ کا فدیہ ایک عظیم قربانی بنا دیا۔ اس کو عظیم اس لئے کہا گیا ہے کہ اول تو یہ ایک عظیم الشان پیغمبر کا فدیہ تھا دوسرے اس لئے کہ اس طرح کی قربانی کو قیامت تک جاری رکھنے کا قانون الٰہی بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے دنبہ کی قربانی کو اولاد کی قربانی کا بدل قرار دے دیا۔ تو مقدس باپ اور بیٹے کی شکر گزاری اور خوشی و مسرت کی حد نہ رہی۔

حضرت ابراہیمؑ کا یہ سب سے زیادہ سخت اور غالباً آخری امتحان تھا جس میں وہ کوہ استقلال ثابت ہوئے۔ اس سے پہلے باپ کو اور اعزہ و احباب کو وطن اور مکان کو اور عظیم الشان مال و دولت کو اللہ کے لئے قربان کر چکے تھے۔ اور خود ہی اپنی جان کو قربانی کے لئے پیش کر چکے تھے۔ اب لخت جگر، اکلوتے صاحب زادے کی قربانی میں انتہائی ثابت قدمی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کو سچا کر دکھایا کہ میری موت اور حیات سب اللہ کے لئے ہے۔

سنت ابراہیمی کی یادگار

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مقبول رسول اور خلیل اللہ کے ان اعمال و افعال کو پسند فرما کر قیامت تک ان کی یادگار کو زندہ رکھنے کے لئے ان افعال و اعمال کی نقل کرنے کو اپنی محبوب عبادت قرار دے کر اپنے بندوں پر لازم کر دیا۔ جس طرح واجبات حج میں تینوں جمرات پر کنکریاں مارنا اسی خلیل الٰہی عمل کی یادگار ہے حجاج پر خصوصاً اور عام مسلمانوں پر عموماً جانور کی قربانی اسی یادگار کو زندہ رکھنے کے لئے لازم کی گئی ہے۔ جس طرح صفا مروہ کے درمیان دوڑنا اور سات چکر لگانا حضرت ہاجرہ کے ایک عمل کی یادگار ہے اس کو بھی واجبات حج میں داخل کر دیا گیا ہے۔ (تلخیص تاریخ قربانی ۷ تا ۲۲)

ایک حدیث میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ قربانی کی کیا اصلیت ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تمہارے والد ابراہیم کی سنت و یادگار ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ پھر ہمارے لئے اس میں کیا ثواب ہے؟ تو فرمایا: جانور کے ہر بال کے عوض ایک نیکی نامۂ اعمال میں لکھی جائے گی۔ (مشکوٰۃ: ۱۲۹)

قربانی کی حقیقت

جب یہ معلوم ہو گیا کہ جانوروں کی قربانی جو ہر سال مسلمانوں پر لازم کی گئی ہے وہ ابراہیمی یادگار کی حیثیت رکھتی ہے تو اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جانور کی قیمت کا صدقہ کر دینا یا کسی دوسرے نیک کام میں لگا دینا اس فریضہ سے سبکدوش نہیں کر سکتا۔ جیسے روزہ کی جگہ نماز یا نماز کی جگہ روزہ کافی نہیں۔ زکوٰۃ کے بدلہ میں حج یا حج کے بدلہ میں زکوٰۃ کافی نہیں۔ کوئی شخص اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کر دے تو ایک نماز کا فریضہ اس سے ادا نہیں ہوتا، اسی طرح صدقہ و خیرات کتنا بھی کرے وہ یادگار ابراہیم علیہ السلام کے قیام اور واجب قربانی کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

قربانی کی فضیلت

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ذی الحجہ کی دسویں

تاریخ یعنی عید الاضحیٰ کے دن فرزند آدم کا کوئی عمل اللہ کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں کے ساتھ (زندہ ہو کر) آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور مقبولیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ اے خدا کے بندو! دل کی پوری خوشی سے قربانیاں کیا کرو۔ (جامع الترمذی: ۱/۲۷۵)

حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ان قربانیوں کی کیا حقیقت اور تاریخ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: یہ تمہارے (روحانی اور نسلی) مورث حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے۔ (یعنی سب سے پہلے ان کو اللہ کی طرف سے اس کا حکم دیا گیا اور وہ کیا کرتے تھے۔ ان کی اس سنت اور قربانی کے اس عمل کی پیروی کا حکم مجھ کو اور میری امت کو بھی دیا گیا ہے۔) ان صحابہؓ نے عرض کیا: پھر ہمارے لئے یا رسول اللہ ﷺ ان قربانیوں میں کیا اجر ہے؟ آپؐ نے فرمایا: قربانی کے جانور کے ہر ہر بال کے عوض ایک نیکی۔ انہوں نے عرض کیا: تو کیا اون کا بھی یا رسول اللہ ﷺ یہی حساب ہے؟ (اس کا مطلب تھا کہ بھیڑ، دنبہ، مینڈھا، اونٹ جیسے جانور جن کی کھال پر گائے، بھینس یا بکری کی طرح بال نہیں ہوتے بلکہ اون ہوتا ہے اور یقیناً ان میں سے ایک ایک جانور کی کھال پر لاکھوں یا کروڑوں بال ہوتے ہیں تو کیا ان اون والے جانوروں کی قربانی کا ثواب بھی ہر بال کے عوض ایک نیکی کی شرح سے ملے گا؟) آپؐ نے فرمایا: ہاں اون یعنی اون والے جانور کی قربانی کا اجر بھی اسی شرح اور اسی حساب سے ملے گا کہ اس کے بھی ہر بال کے عوض ایک نیکی ملے گی۔ (ابن ماجہ: ۲۲۶)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے (ہجرت کے بعد) مدینہ طیبہ میں دس سال قیام فرمایا اور برابر (ہر سال) قربانی کرتے تھے۔ (جامع الترمذی: ۱/۲۷۷)

حنش بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دو مینڈھوں کی قربانی کرتے دیکھا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ یہ کیا ہے؟ (یعنی آپ بجائے ایک کے دو مینڈھوں کی قربانی کیوں کرتے ہیں؟) انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف سے بھی قربانی کیا کروں۔ تو ایک قربانی میں آپ کی طرف سے کرتا ہوں۔ (سنن ابی داؤد: ۲/۳۸۵)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ہم

نے سات آدمیوں کی طرف سے ایک گائے کی قربانی کی۔ (ترمذی شریف: ۱/۲۷۶)

صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ طیبہ میں اپنی قربانیوں کو فربہ اور موٹا کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے اور سب مسلمانوں کی یہی عادت تھی۔ (بخاری شریف: ۲/۸۳۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدگاہ میں ہی قربانی کیا کرتے تھے۔ (بخاری شریف: ۲/۸۳۳)

قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسی ترتیب کے ساتھ ارشاد فرمایا: "فصل لربك و انحر" یعنی اپنے رب کے لئے نماز ادا کریں پھر قربانی کریں۔ اسی قرآنی حکم کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے امت پر نماز عید و قربانی کو لازم و واجب قرار دیا خواہ وہ مکہ میں ہوں یا مدینہ میں یا دنیا کے کسی اور مقام میں۔ اور اشارۂ قرآنی کے ماتحت نماز عید کو مقدم اور قربانی کو اس کے بعد کرنے کا حکم جاری فرمایا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ عید الاضحیٰ کے روز نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ کے قبرستان بقیع کی طرف لے گئے۔ وہاں ایک میدان میں اول نماز عید ادا کی پھر سب لوگوں کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ آج کے دن ہمارا پہلا کام نماز عید ادا کرنا ہے اس کے بعد قربانی کرنا ہے۔ جس نے اس کے مطابق عمل کیا تو ہمارے طریقے کے موافق کیا اور جس نے نماز سے پہلے ذبح کر دیا اس کی قربانی نہیں ہوئی بلکہ وہ محض کھانے کا ایک گوشت ہو گیا۔ قربانی اور اس کے ثواب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ (بخاری شریف: ۲/۸۳۴)

عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت

شریعت اسلامیہ میں ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کو بھی فضل و انعام کا خاص عشرہ قرار دیا گیا ہے۔ اس عشرہ میں بندہ کا ہر نیک عمل اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے اور اس کی بڑی قدر و قیمت ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو عمل صالح جتنا ان دس دنوں میں محبوب ہے اتنا کسی دوسرے دن میں نہیں ہے۔ (بخاری شریف: ۱/۱۳۲)

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب ذی الحجہ کا پہلا

عشرہ شروع ہو جائے (یعنی ذی الحجہ کا چاند دیکھ لیا جائے اور تم میں سے کسی کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو تو اس کو چاہئے کہ اب قربانی کرنے تک اپنے بال یا ناخن بالکل نہ تراشے۔

(ابن ماجہ: ۲۲۷، ابوداؤد ۲/۳۸۶)

دراصل یہ عشرہ حج کا ہے اور ان ایام کا خاص الخاص عمل حج ہے لیکن حج مکہ معظمہ جا کر ہی ہو سکتا ہے اس لئے وہ عمر میں صرف ایک دفعہ اور وہ بھی صرف اہل استطاعت پر فرض کیا گیا ہے۔ اس کی خاص برکات وہی بندے حاصل کر سکتے ہیں جو وہاں حاضر ہو کر حج کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے سارے اہل ایمان کو اس کا موقع دیا ہے کہ جب حج کے یہ ایام آئیں تو وہ اپنی اپنی جگہ رہتے ہوئے بھی حج اور حجاج سے ایک نسبت پیدا کر لیں اور ان کے کچھ اعمال میں شریک ہو جائیں۔ عید الاضحیٰ کی قربانی کا خاص راز یہی ہے۔

حجاج کرام دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں اللہ کے حضور میں اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ دنیا بھر کے دوسرے مسلمان جو حج میں شریک نہیں ہو سکے ان کو حکم ہے کہ وہ اپنی اپنی جگہ ٹھیک اسی دن اللہ کے حضور میں اپنی قربانیاں نذر کریں اور جس طرح حاجی احرام باندھنے کے بعد بال یا ناخن نہیں ترشواتا اسی طرح یہ مسلمان جو قربانی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد بال یا ناخن نہ ترشوائیں۔ اور اسی طریقہ سے بھی حجاج سے ایک مناسبت اور مشابہت پیدا کریں۔ کس قدر مبارک ہدایت ہے جس پر چل کر شرق و مغرب کے مسلمان حج کے انوار و برکات میں حصہ لے سکتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا کوئی دن نہیں ہے جس میں عبادت کرنا عشرۂ ذی الحجہ سے زیادہ افضل ہو اس میں سے ہر دن کے روزے کو ایک سال کے روزوں کے برابر قرار دیا جاتا ہے اور اس میں سے ہر رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر قرار دی جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ: ۱۲۸)

قربانی کا طریقہ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیاہی و سفیدی مائل رنگ کے سینگوں والے دو مینڈھوں کی قربانی کی اپنے دست مبارک سے ان کو ذبح کیا اور ذبح کرتے وقت بسم اللہ واللہ

اکبر پڑھا میں نے دیکھا کہ اس وقت آپ اپنا پاؤں ان کے پہلو پر رکھے ہوئے تھے اور زبان سے بسم اللہ واللہ اکبر کہتے جاتے تھے۔ (بخاری شریف: ۲/۸۳۲، مسلم شریف: ۲/۱۵۶)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ قربانی کے دن یعنی عید قرباں کے دن رسول اللہ ﷺ نے سیاہی سفیدی مائل سینگوں والے دو خصی مینڈھوں کی قربانی کی۔ جب آپؐ نے ان کا رخ صحیح یعنی قبلہ کی طرف کر لیا تو یہ دعا پڑھی:

انی وجهت وجهی للذی فطر السمٰوات و الأرض علیٰ ملة ابراهیم حنیفاً و ما انا من المشرکین، انّ صلوتی و نسکی و محیای و مماتی لله ربّ العالمین، لا شریک له و بذلک امرت و انا من المسلمین، اللّٰهم منک و لک عن محمّد و امّته بسم اللّٰه و اللّٰه اکبر.

(سنن ابی داؤد: ۲/۳۸۶)

میں نے اپنا رخ اس اللہ کی طرف کر لیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے ابراہیم کے طریقے پر ہر طرف سے یکسو ہو کر اور میں شرک والوں میں سے نہیں ہوں، میری نماز و عبادت اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ رب العالمین کے لئے ہے، اس کا کوئی شریک ساجھی نہیں اور مجھے اسی کا حکم ہے، اور میں حکم ماننے والوں میں سے ہوں۔ اے اللہ یہ قربانی تیری ہی طرف سے اور تیری ہی توفیق سے ہے اور تیرے ہی واسطے ہے تیرے بندے محمدؐ کی اور اس کی امت کی جانب سے۔ بسم اللہ واللہ اکبر۔

یہ دعا پڑھ کر آپ نے مینڈھے پر چھری چلائی اور اس کو ذبح کیا۔

قربانی کے جانور کے بارے میں ہدایات

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ قربانی میں کیسے جانوروں سے پرہیز کیا جائے (یعنی وہ کون سے عیب اور خرابیاں ہیں جن کی وجہ سے جانور قربانی کے قابل نہیں رہتا) آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اور بتایا کہ چار (یعنی چار عیوب اور نقائص ایسے ہیں کہ ان میں سے کوئی عیب و نقص اگر جانور میں پایا جاوے تو وہ قربانی کے قابل

نہیں رہتا) ایک ایسا لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن بہت کھلا ہوا ہو (کہ اس کی وجہ سے اس کو چلنا بھی مشکل ہو) دوسرے وہ جس کی ایک آنکھ خراب ہوگئی ہو اور وہ خرابی بالکل نمایاں ہو۔ تیسرے وہ جو بہت بیمار ہو۔ چوتھے وہ جو ایسا کمزور اور لاغر ہو کہ اس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو۔

(موطا امام مالک: ۲۸۰، ترمذی: ۱/۲۷۵، ابوداؤد: ۲/۳۸۷)

حضرت علی مرتضیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ایسے جانور کی قربانی سے منع فرمایا جس کا سینگ ٹوٹا ہوا یا کان کٹا ہوا ہو۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۲۷)

قربانی دراصل بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں نذر ہے اس لئے ضروری ہے کہ اپنی استطاعت کی حد تک اچھے جانور کا انتخاب کیا جائے۔ یہ بات بہت غلط ہے کہ لولا، لنگڑا، اندھا، کانا، بیمار، مریل، سینگ ٹوٹا، کان کٹا جانور اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا جائے۔ قرآن مجید میں اصول کے طور پر فرمایا گیا ہے:

لن تنالوا البرّ حتی تنفقوا مما تحبّون۔ (سورۃ آل عمران: ۹۲)

تم کو نیکی کا مقام اس وقت تک ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ چیز اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب و مرغوب ہے۔

بہر حال قربانی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات کی روح اور ان کا خاص مقصد یہی ہے کہ اچھا سے اچھا جانور اللہ کے حکم کی تعمیل میں بارگاہِ ایزدی میں پیش کیا جائے تاکہ ہم سب کی قربانی قبولیت کا مقام حاصل کر سکے۔ و اللہ الموفق و المعین۔

☆☆☆☆☆

مقالات

اسلام میں عیدین کی اہمیت

اقرار علی اصلاحی

جامعۃ الفلاح

مسلمان اللہ کے احکام کے پابند ہیں۔ یہ احکام زمان و مکان کے اعتبار سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کا حکم ہے، پورا مہینہ جن مسلمانوں نے روزہ رکھا اللہ تعالیٰ نے خوشی میں عید الفطر نصیب فرمائی۔ عید الفطر اللہ کا خصوصی انعام ہے جبکہ عید قرباں، قربانی و جاں نثاری للّٰہیت اور حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی فرمانبرداری و طاعت گذاری ہے نیز عیدین کا آغاز کا رہی تعلق باللہ اور بندگی رب سے ہے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس زمانے میں وہاں کے لوگ دو خوشیوں کے دن مناتے تھے آپؐ نے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو کہا گیا کہ زمانہ جاہلیت سے ہی ہمارے یہ خوشی کے دن چلے آرہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے تمہیں اور دو دن عطا فرمایا ہے۔ ایک عید الفطر اور دوسرا عید قرباں۔ جو اصلاً امت مسلمہ کے مذہبی و ملی تہوار ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے کہ ہر قوم کے لئے کوئی نہ کوئی عید کا دن ہوتا ہے اور یہ ہماری عید ہے۔ عید باہمی اتحاد و اتفاق، یکجہتی اور محبتوں کا درس دیتی ہے۔ دنیا کی ہر قوم کے لئے سال بھر میں دو چار دن ضرور ایسے ہوتے ہیں جن کو وہ اپنا قومی جشن کی یادگار سمجھ کر عزیز رکھتی ہے۔ یا تو اس کی سرے سے کوئی بنیاد ہی نہیں یا اگر کوئی بنیاد ہے بھی تو وہ کسی غلط سلسلے پر قائم ہے۔

مثلاً کسی کی ولادت کے دن کو تہوار بنالیا جیسے عیسائیوں کا تہوار (کرسمس ڈے) جو ہر سال ۲۵ دسمبر کو منایا جاتا ہے۔ اسی کی نقل کرتے ہوئے آج امت مسلمہ کے بعض عوام الناس نے "عید میلاد النبی" کا سلسلہ شروع کیا جس کا کوئی وجود عہد صحابہ، خیر القرون اور سلف صالحین میں نہیں ملتا۔ غیر مسلموں کے جتنے تہوار ہیں ان میں خیر و صلاح کا کوئی پہلو ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا البتہ ان کے ہر

تہوار میں کھیل کود سے لے کر راگ رنگ، شراب و کباب، رقص و سرور، فحاشی، عریانی اور ایذا رسانی تک پائی جاتی ہے۔ بعض اوقات ان کا کوئی تہوار فرقہ وارانہ فساد کا باعث بن جاتا ہے، جس میں خون کی ہولی کھیلی جاتی ہے۔

جہاں تک اسلام اور مسلمانوں کی عیدوں کا تعلق ہے سال بھر میں صرف دو ہی عیدیں ہیں۔ جن میں سے کوئی عید کسی شخصیت یا کسی غلط قسم کے مفروضے پر قائم نہیں ہے۔ بلکہ ہر عید کا تعلق بنیادی طور پر عبادات کے ساتھ مربوط ہے۔ ایک عید نزول قرآن کی یادگار اور توفیق صوم رمضان کی شکر گزاری کے طور پر مقرر کی گئی ہے تو دوسری عید قربانی و جاں نثاری اور سرفروشی کی یادگار کے طور پر طے کی گئی ہے۔ دونوں عیدوں میں اللہ کے بندوں کو یقین و ایمان کی تازگی کے ساتھ قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ یوں تو قربانی کی ابتدا آدمؑ کے دونوں بیٹے (ہابیل و قابیل) سے ہوتی ہے۔ جنھوں نے دنیائے انسان کی پہلی قربانی بارگاہ الٰہی میں پیش کی تھی۔ اس کے بعد مختلف قوموں میں قرب الٰہی کے مختلف طریقے اور قربانیاں رائج تھیں۔ لیکن اسلام (جو ایک نظام حیات ہے) نے قربانی کے ان تمام غیر شرعی طریقوں کو مٹا دیا اور بتا دیا کہ قربانی کا اصل منشا و مقصد ارواح کو خوش کرنا، جان کا فدیہ دینا یا خون کا بہانا نہیں ہے بلکہ اس سے جہاں دل کی غذا (تقویٰ) مطلوب ہے وہیں اللہ کے اس احسان کا شکر ہے کہ اس سے جانوروں کا گوشت غریبوں محتاجوں، مسکینوں اور ضرورت مندوں کو بھی کھلا کر اللہ کی خوشنودی حاصل کی جائے۔

چنانچہ اسلام میں باقاعدہ قربانی کی مشروعیت کا آغاز حضرت ابراہیمؑ کے دور سے ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیمؑ نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا۔ وہ یہ کہ آپؑ اپنے بیٹے اور لخت جگر حضرت اسماعیلؑ کو اپنے ہاتھوں ذبح کر رہے ہیں۔ محبت الٰہی سے سرشار ابراہیمؑ شوق اطاعت و محبت کے غلبہ میں اس حکم کی تعمیل بعید کرنے پر تیار ہو گئے تا کہ وہ اس ابتلاء و آزمائش میں پورے اتریں اور خواب اپنے بیٹے و لخت جگر سے کہہ سنایا۔ بیٹا بھی انہیں کی طرح بہت مطیع و فرمانبردار تھا۔ نہایت استقلال سے کہا: ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے اسے کر گذریئے ان شاء اللہ آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے۔ غرض انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اب جب کہ اللہ کو تو صرف امتحان لینا مقصود تھا آخر کار اللہ کی محبت

جوش میں آئی اور اس فرمانبردار بیٹے کی قربانی کی جگہ صحرائی ایک مینڈھا (کہتے ہیں کہ جس کی دونوں سینگ قریبی جھاڑی میں پھنسی ہوئی تھی یعنی حضرت اسماعیلؑ کے مذبح کے قریب) اس کو حکم خدا سے حضرت ابراہیمؑ نے ذبح کیا۔ اس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور ان کے لخت جگر حضرت اسماعیلؑ اپنے امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ اب دونوں کے عظیم الشان کارنامہ تسلیم و رضا کا تقاضہ تھا کہ یہ قربانی رہتی دنیا تک ایک یادگار بن جائے۔ لہٰذا امت پر یہ سنت ابراہیمی جانور کی قربانی کی شکل میں واجب و مذہبی شعار قرار پایا۔

مگر یہ قربانی کیا تھی؟ یہ محض خون و گوشت کی قربانی نہ تھی۔ بلکہ روح و دل کی قربانی تھی یہ صرف اور صرف اللہ کی راہ میں قربانی تھی۔ یہ اپنے عزیز ترین مال و متاع کی قربانی تھی۔ یہ اللہ کی اطاعت، عبودیت و بندگی کامل کا بے مثال منظر تھا۔ یہ تسلیم و رضا اور صبر و شکر کا وہ امتحان تھا جس میں انھوں نے کامیابی حاصل کی جس کے بغیر دنیا کی ''پیشوائی'' اور آخرت کی ''نیکی'' نہیں مل سکتی تھی۔ یہ باپ کا اپنے لخت جگر اور اکلوتے بیٹے کے خون سے ہولی کھیلنا نہ تھا بلکہ یہ صرف اور صرف اللہ کے لئے اپنے تمام تر خواہشات و جذبات اور آرزوؤں و تمناؤں کا نچھاور کرنا تھا۔ اور حکم الٰہی کے سامنے اپنے تمام تر خواہشات و جذبات کو کالعدم قرار دینا تھا۔

عموماً یہ ہوتا ہے کہ بعض وقت یا کبھی زندگی میں مسرت و شادمانی کے لمحات آتے ہیں یا صرف عبادات کے موقعے ملتے ہیں۔ لیکن عیدین کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ ہر عید میں عبادت و مسرت کا حسین و جمیل امتزاج ہوتا ہے۔ نیز مادی لحاظ سے کام کی لذت کے ساتھ روحانی بالیدگی و نشو نمائی بھی حاصل ہوتی ہے۔ پھر تعلق باللہ میں اصل اہمیت عبدیت و طاعت امر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یقیناً نماز اہل ایمان پر وقت کی پابندی کے ساتھ لازم قرار دی گئی ہے۔ لیکن حج کے موقع پر حجاج کرام میدان عرفات میں ٹھہرتے ہیں تو انھیں حکم ہے کہ مغرب و عشاء دونوں ملا کر پڑھیں اسی طرح عید الفطر کے موقع پر شریعت کا حکم ہے کہ صدقۂ فطر ادا کرنے کے بعد ناشتہ کر کے نماز عید پڑھی جائے اور عید الاضحیٰ کے موقع پر بغیر کچھ کھائے پیے عید قرباں کی نماز ادا کی جائے اور بعد نماز قربانی کا جانور ذبح کیا جائے۔

اسلام نے تمام عبادات میں صرف موقع حج پر ہی قربانی واجب کی ہے تا کہ اس سے ہر سال

اس واقعہ کی یاد دہانی ہوتی رہے۔ لہذا امت مسلمہ کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ مسلمانوں کے جشن و ماتم، خوشی و غم سب اللہ ہی کے لئے ہیں۔ وہ ان میں حد سے زیادہ تجاوز نہیں کرتے۔ ارشاد ربانی ہے: تو کہہ دے کہ میری نماز، میری تمام عبادات اور میرا جینا مرنا سب صرف اور صرف اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ عید صرف ایسا تہوار نہیں جیسا کہ عموماً دیکھا جاتا ہے بلکہ ایک بڑی عبادت و فضیلت کا دن ہے۔ آپؐ نے فرمایا: یہ یوم الجائزہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ عید الفطر ان خوش نصیب مسلمانوں کے لئے ہے جنھوں نے اس ماہ رمضان المبارک کا پورا اہتمام و احترام کیا یعنی اس کی تمام عبادات اور قرآن مجید جو اسی مہینے میں نازل ہوا اس کو سمجھ کر پڑھا اور حسب توفیق و استطاعت استفادہ کیا نیز اس پر عمل کیا۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو ذکر الٰہی، حمد و ثنا اور عظمت و پاکیزگی کے اظہار سے زینت دو۔ ایک دوسری جگہ فرمایا: عید الفطر و عید الاضحیٰ کے دن اللہ تعالیٰ زمین پر رحمت کی نظر ڈالتا ہے۔ تم کو چاہئے کہ ان دنوں میں (عید گاہ کی طرف) باہر نکلا کرو تا کہ اللہ کی رحمت ہو۔

حضرت علیؓ عید کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہماری عید تو اس دن ہوگی جب ہم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حقیقت میں مومن کی پانچ عیدیں ہوتی ہیں۔ ۱۔جس دن گناہوں سے محفوظ رہے۔ ۲۔جس دن ایمان کی سلامتی کے ساتھ رہے۔ ۳۔جس دن پل صراط سے سلامتی سے گزر جائے۔ ۴۔جس دن جنت میں داخل ہو جائے۔ ۵۔جس دن اس پروردگار کا دیدار نصیب ہو۔

یہ عید ہر سال رحمتوں اور مسرتوں کا ڈھیروں پیام لے کر آتی ہے اور نہایت خاموشی اور رازداری سے ہم سب کے لئے ایک لمحۂ فکر یہ چھوڑ جاتی ہے اور احتساب ذات و باہمی اخوت دیتی، ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے پر ابھارتی ہے۔ جائزہ اس بات کا کہ کیا عید کی خوشی سے دوسرے بھائی محروم تو نہیں؟ ہم تو خوب دھوم دھام سے خوشیاں منا رہے ہیں اور ہمارے دل انسانی ہمدردی سے خالی ہیں ہمارے پڑوسی غریب غربا اور اقرباء نیز ان کے روتے بلکتے بچے کا کوئی پرسان حال نہ ہو۔ ان کے پاس ایسے لباس اور کھانے کو نہیں جو عید کا بھرم رکھیں ایسے وقت میں ہمیں نبی کریم کا وہ واقعہ قابل عبرت

ہے کہ جب آپ عید گاہ سے واپس لوٹ رہے تھے تو آپؐ نے دیکھا کہ بہت سے بچے تو کھیل رہے ہیں لیکن ایک بچہ ان سب سے الگ غم کی تصویر بنا اداس بیٹھا ہے۔ آپؐ نے اس بچے کو دیکھا اور قریب تشریف لے گئے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پوچھا کہ بیٹے کیوں مغموم بیٹھے ہو؟ اس نے آبدیدہ ہو کر جواب دیا، میرے سر پر ہاتھ رکھنے والا کوئی نہیں ہے۔ بچے کے اس جواب سے آپ کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ آپؐ نے فرمایا میرے والد بھی بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے۔ آج سے میں تمہارا والد ہوں۔ غرض آپؐ بچے کو اپنے گھر لے گئے اور بہترین لباس زیب تن کیا اور جب وہ بچہ سج دھج کر باہر نکلا تو لوگوں نے دریافت کیا کہ یہ سب کہاں سے آیا؟ تو اس بچے نے جواب دیا کہ آج سے میرے سرپرست حضور اکرم ﷺ ہیں۔

حضرت عمرؓ کا ایک سبق آموز واقعہ ہے کہ عید کے دن لوگ کاشانۂ خلافت فاروقی پر حاضر ہوئے تو دیکھتے ہیں کہ امیر المومنین دروازہ بند کر کے زار و قطار رو رہے ہیں۔ لوگ بہت متعجب ہوئے۔ عرض کیا اے امیر المومنین! آج تو عید کا دن ہے اور فرحت و انبساط کا دن ہے۔ یہ خوشی کی جگہ رونا کیسا؟

آپؓ نے اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے فرمایا۔ لوگو! یہ عید کا بھی دن ہے اور وعید کا بھی۔ آج جس کی نماز روزے مقبول ہو گئے بلاشبہ وہ خوش نصیب اور اسی کے لئے آج عید کا دن ہے لیکن جس کے رد کئے گئے اس کے لئے آج وعید کا دن ہے۔ اور میں تو صرف اسی خوف سے رو رہا ہوں کہ مجھے یہ نہیں معلوم کہ میں مقبول ہوا یا رد کر دیا گیا ہوں۔

برادران اسلام! عید کا دن اپنے محاسبے اور جائزے کا دن ہے۔ آج ہم غور کریں کہ کیا ہم نے سابقہ گناہوں سے توبہ کی؟ اپنی اصلاح کی؟ غفلت اور بے فکری سے توبہ کی؟ ذرا سوچیں اگر واقعی ہم نے سچے دل سے توبہ کر لی، اپنی عاقبت کی فکر کر لی تو واقعی پھر عید کی خوشی منانے کے حق دار ہیں ورنہ..... جہاں ہم پر ہمارے گناہوں کی پاداش میں مصیبتیں در مصیبتیں آ رہی ہیں اور ہم ذلت و پستیوں کے کنویں میں گرتے جا رہے ہیں۔ جبکہ رمضان المبارک اور حج اکبر ہر سال آتا ہے۔ اور ایک کے بعد دوسرا، تیسرا نیز صدیوں سے آ رہا ہو۔ اسی طرح پے درپے کئی قرآن مجید مع تفسیر و معنی ختم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان گنت تعداد میں ختم قرآن ہوتا ہے۔ روزے رکھے جاتے ہیں۔ پابندی نماز و عبادات ہوتی ہے۔ نیز

اسی طرح ایک نہیں کئی کئی حج اور قربانیاں بھی کرتے ہیں۔ ذکر و اذکار میں راتیں بسر ہوتی ہیں۔

لیکن ...... ہم وہیں کے وہیں ہیں جتنے رمضان و حج کے بغیر تھے۔ (نہ ہماری شخصی حالت میں کوئی تبدیلی اور نہ ہی ہمارے انفرادی اخلاق کی اصلاح اور نہ ہی ہماری قومی و ملی حالت میں ذرہ برابر بھی کوئی فرق آتا ہے۔ نہ ہمارے اوپر سے ذلت و مسکنت اور غلامی و پستی کے بادل ہی چھٹتے ہیں۔ آخر ایسا کیوں؟ آخر ہم کیا کریں؟ جبکہ ہم رمضان بھر میں تقریباً ۳۶۰ گھنٹے عبادات الٰہی نیز حج اکبر کے بعد ہم گویا کہ بالکل معصوم اور تمام گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں۔ لیکن افسوس صد ہا افسوس کہ اس کے بعد جب ہم فارغ ہوتے ہیں تو ان پوری عبادات کے تمام اثرات دوسرے ماہ کی پہلی ہی تاریخ کو کافور ہو جاتے ہیں۔ ہندو و مسلم میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں وہی ہم کرتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ شہروں میں عید کے دن بدکاری اور شراب نوشی، قمار بازی تک ہوتے ہیں۔ اور بعض ظالم تو ایسے بھی ہیں جو رمضان کے ایام میں دن کو روزہ رکھتے ہیں تو رات کو شراب نوشی کرتے ہیں۔ نیز زنا بھی کرتے ہیں۔ عام مسلمان اللہ کے فضل سے اس قدر بگڑے ہوئے تو نہیں ہیں مگر ایام رمضان و قربانی کے ختم ہوتے ہی آپ میں سے کتنے ایسے ہیں جن کے اندر عید کے دوسرے دن تقویٰ و پرہیز گاری کا کوئی اثر باقی رہ جاتا ہو؟

قانون خداوندی کی خلاف ورزی میں کتنی کسر اٹھا رکھی جاتی ہے؟ نیک کاموں میں کتنا حصہ لیا جاتا ہے؟ اور نماز مسنت میں کیا کمی آ جاتی ہے؟ ...... اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ ہمارے ذہنوں میں عبادت کا مفہوم و مطلب ہی غلط ہو کر رہ گیا ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سحر سے لے کر مغرب تک صرف بھوکا پیاسا رہنا نیز قربانی کرنا ہی عبادت ہے۔ اور بس کچھ نہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ جہاں روزے سے متعلق فرماتا ہے وہیں قربانی سے متعلق بھی فرماتا ہے:

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں اور ان کے ماننے والوں پر فرض کیے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ اور خوف خدا کی صفت پیدا ہوگی نیز قربانی کے گوشت و خون وغیرہ اللہ کو نہیں پہنچتے بلکہ تمہارا تقویٰ مقصود ہے۔ پھر پہلی چیز جو ہمارے اندر ہونی چاہئے وہ ہے قوت ارادی کیونکہ ہر انسان کے لئے وہی حاصل ہے جس کی وہ نیت

کرے۔

اگر ہم نے سچے دل سے یہ طے کر لیا کہ اللہ نے چاہا تو ہم حقیقی مسلمان بننے کی کوشش کریں گے تو ان شاء اللہ ہمارے اندر کچھ نہ کچھ تبدیلی ضرور ہوگی۔ یہی وہ احساس اور یہی وہ کھٹکا ہے جو ایک حساس اور باشعور مومن کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ اسے ہر آن و ہر وقت فکر مند و بے چین رکھتا ہے۔ عام لوگ جب عید کا چاند دیکھ کر خوشیاں مناتے ہیں۔ ایک دوسرے سے مصافحہ اور گلے ملتے ہیں نیز مبارکبادیاں پیش کرتے ہیں تو اس وقت اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوتے ہیں۔ اس کے سینے میں ایک اضطراب کا طوفان بپا ہوتا ہے۔ اس وقت وہ حسرتوں کی ایک تصویر بنا ہوا ہوتا ہے۔ جب عام لوگ عید کا چاند دیکھ کر عید کے پکوانوں اور دوستوں کی دعوتوں کے نقشے بنا رہے ہوتے ہیں۔ عید ملن کے لمبے چوڑے پروگرام تیار کر رہے ہوتے ہیں اس وقت وہ کسی تاریک گوشہ میں پڑا اپنے رب کے حضور آہ و زاریاں کر رہا ہوتا ہے۔ اس موقع پر ہمیں عمر بن عبدالعزیز کا واقعہ قابل عبرت ہے۔

پانچویں خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے خلافت سنبھالنے کے بعد کی پہلی عید ہوئی تو ان کے بچوں کے لئے نہ عید کے لئے نئے نئے کپڑے اور نہ ہی جوتے وغیرہ، بس وہی پرانے تھے چنانچہ جب وہی چیزیں ان کے سامنے پیش ہوئیں تو وہ رونے لگے اور نئے کپڑوں کے لئے مچلنے لگے۔ ظاہر ہے کہ وہ بچے جو اب تک ناز و نعمت میں پلے بڑھے تھے، جو ہر خوشی کے موقع پر ایک سے ایک قیمتی جوڑے پہنتے چلے آئے تھے آج وہ پرانے کپڑوں میں عید کرنے کے لئے کیوں کر تیار ہو سکتے تھے۔ جبکہ ان کا باپ خلیفۂ وقت اور تمام مسلمانوں کا امیر و سربراہ تھا۔ وقت کی عظیم ترین سلطنت کا حکمراں تھا۔ غرض ماں جب بچوں کو سمجھا کر تھک گئی تو انھوں نے سوچا کہ چلیں امیر المومنین کے پاس چلیں۔ ان کے سامنے یہ صورت حال رکھیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی سبیل نکالیں اور کچھ انتظام کریں مگر وہ امیر المومنین کے کمرے میں پہنچیں تو ہچکیوں، سسکیوں اور ٹھنڈی ٹھنڈی آہوں کے سوا کچھ نہ پایا۔ دیکھا کہ امیر المومنین سجدے میں پڑے آہ و زاریاں کر رہے ہیں۔ اپنے رب سے دعا و مناجات میں مصروف ہیں کہ خدایا ...... یہ تیری رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ آیا اور چلا گیا۔ اس ناچیز بندے کو اس سے کیا ملا یہ کچھ نہیں معلوم۔ خدایا یہ تیری رحمتوں کا فصل بہار تھی۔ اس موسم بہار میں بھی اگر کوئی محروم رہ گیا تو اس کا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟

میرے آقا! یہ گناہ گار تیری رحمتوں کا بھکاری ہے تو اسے محروم و نامراد نہ لوٹا۔ یہ رقت انگیز منظر دیکھ کر اس نیک خاتون سے وہاں رہ نہیں گیا اور روتے ہوئے پاؤں واپس آ گئیں۔ آہ یہ تڑپ و بے قراری، یہ تشنگی اور یہ تضرع و زاری ہی روزے کا اصل حاصل ہے تو دوسری طرف وہی تڑپ نیز وہی جذبہ قربانی و حج۔

برادران اسلام! کیا آج یہ پسندیدہ تحفہ ہم اپنے آقا کی بارگاہ میں پیش کر سکتے ہیں۔ آہ یہ ایک ایسا سوال ہے کہ جو آنکھوں کو آنسوؤں اور دل کو سوز و گداز سے بھر دیتا ہے۔ آج ہم غور کریں کہ کیا ہمیں عید منانے کا کوئی حق ہے؟

حقیقت تو یہ ہے کہ آج ہم حقیقی عید سے محروم ہیں۔ کاش ہم سچے مسلمان بن کر دنیا کو مظالم سے نجات دلا دیں۔ آج دنیا سکون کی متلاشی ہے اور مسلمان خواب غفلت میں مست؟ نہ اخلاق ہے نہ عمل نہ شرافت و انسانیت اور نہ ہی جذبۂ خدمت خلق، یاد الٰہی ہے نہ اس کی شناخت تو پھر کہاں کے تہوار اور کیسی خوشی؟

آج عوام الناس نے مقصد زندگی دنیا کا حصول بنا لیا ہے۔ مسلمان و کافر خواہشات کے غلام بن گئے ہیں۔ مسلم غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں رہ گیا۔ مسلمانوں میں کافروں کی عادات آ گئی ہیں۔ ہم تو اشرف المخلوقات بنائے گئے تھے۔؟ خدارا ذرا سوچیں اور غور کریں اور اپنے آپ کو سنبھالیں نیز اپنی اہمیت پہچانیں۔ بقول علامہ اقبال:

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے......؟

اگر ہم اپنی اہمیت و ذمہ داری نیز حکم الٰہی کو اچھی طرح پہچان لیا اور اس پر عمل کیا تو پھر دونوں جہاں میں خوشیاں ہمارے لئے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے: بے شک فلاح پا گیا وہ جس نے خود کو پاک کر لیا اور اللہ کو یاد کیا پھر نماز پڑھی۔

اس آیت میں فلسفۂ عید بیان کئے گئے ہیں۔ جس نے ماہ رمضان کے روزے رکھے تو اس نے اپنے گناہوں کی گندگی سے پاک کر لیا اس لئے کہ روزہ بدن کی زکوٰۃ اور روزے سے روح و قلب پاک ہوتا ہے۔ جوان شہوتیں مغلوب ہوتی ہیں اور انسان کے اندر ملکوتی صفات پیدا ہوتی ہیں تو دوسری

طرف قربانی و حج اکبر میں بھی وہی مقصد وصول پائے جاتے ہیں۔ اب جس شخص نے ماہ رمضان اور ماہ قربانی میں بھی اپنے قلب و روح کی صفائی و پاکیزگی نہ کی، اللہ سے تعلق نہ جوڑا اس کو عید کی خوشی منانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا بلکہ وہ گناہوں پر خوشی منانے کو مرتکب ہوتا ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عید الفطر کے روز کا احترام و اکرام کیا کرو اور گناہوں سے احتراز کیا کرو اور ضرر رسانی سے بچا کرو۔ عید کی خوشیوں میں غرباء و مساکین اور ضرورت مندوں کو نہ بھلایا کرو۔

مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ صدقۂ فطر کے تین فائدے ہیں: ۱ روزے کا مقبول ہونا۔ ۲ موت کی سختیوں کا آسان ہونا۔ ۳ عذاب قبر سے نجات پانا۔

اب جو عید کے دن اور اس کے بعد اپنے کھانے پینے اور لباس و زینت میں ہزاروں روپے خرچ کر ڈالتے ہیں، سیر و تفریح میں خوب پیسے اڑاتے ہیں اگر انھوں نے غرباء و مساکین کی خدمت نہیں کی اور ان کی ضرورتوں کا پورا نہیں کیا تو یقیناً ایسے ہی لوگ معاشرتی مجرم ہیں۔

یہ خوشیاں جو انھوں نے صرف اپنی ذات تک محدود کر رکھی ہیں یہ ان کے وبال جان ہوں گی۔ اور غریب غرباء یہی لوگ قیامت کے دن ان کے دامن پکڑیں گے۔ آج ہمارے یہاں ایک نئی چیز اور بدعت پھیلی ہوئی ہے۔ عموماً عید کے پہلے اور اس کے بعد ایک رسم "عید کارڈ" جو بڑے زور و شور بلکہ فرض کا درجہ اختیار کر گئی ہے۔ اول تو یہ رسم فضول ہے دوسرے اکثر عید کارڈوں پر بعض اوقات نیز عریاں تصاویر ہوتی ہیں۔ بہت سے کارڈ تو بڑے مہنگے ہوتے ہیں۔ اگر عید کارڈ پر خرچ ہونے والی مجموعی رقم کسی ملکی فلاحی اور رفاہی کام میں خرچ کی جائے تو نا معلوم ہمارے کتنے نازک اور گمبھیر مسائل حل ہو جائیں۔ واضح ہو کہ تصاویر والے عید کارڈ چھاپنا، چھپوانا اور ان کی خریداری کرنا انھیں رواج دینا، تصاویر کا دینا یا ہدیے میں لینا سب گناہ کبیرہ ہیں نیز رقم کا فضول خرچ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ جس ملک میں لاکھوں افراد غربت و افلاس کی چکی میں پس رہے ہوں ایسے ملک کے لئے لوگ دولت کو یوں ناجائز اڑائیں تو اس سے بڑی بدنصیبی اور کیا ہو سکتی ہے۔

اسلام وحدت و اخوت کا مذہب ہے۔ وہ ایک خدا کے ماننے والوں کا مذہب ہے۔ ان کے

نزدیک طاقت وقوت کا سرچشمہ صرف اور صرف خدا ہے۔ وہ اٹھتے بیٹھتے اسی کی عظمت کے گیت گاتے ہیں۔ اسی کے آگے سرنیاز خم کرتے ہیں۔ وہی ان کا مددگار ومشکل کشا ہے۔

اس مسرت وشادمانی کے موقع پر دوسری بات جو نہایت اہم ہے وہ باہمی اخوت ومحبت ہے جو اپنے محلے وعلاقے اور ملک تک ہی محدود نہیں بلکہ عالمی پیمانے تک مطلوب ہے۔ دنیائے انسانیت کے سب سے بڑے رہنما سرور عالم حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: تم مومنوں کو آپس میں رحمت ومحبت نیز عفو ودرگزر کے معاملے میں ایک جسم کی طرح پاؤ گے جس طرح جسم کے کسی حصے میں اگر کوئی تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

چونکہ تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں تو بطور خاص آج کے دن اپنے ان بھائیوں کو نہیں بھولنا چاہئے جو اللہ کی راہ میں ہمہ تن مشغول ہیں اور ان کے مجاہد بھائیوں کو جو اپنے حقوق کی خاطر اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر رہے ہیں۔

ارشاد نبی ﷺ ہے: جس نے صبح اس حال میں کی کہ اس نے مسلمانوں کے مسائل حل کرنے میں دلچسپی نہیں لی وہ ان میں سے نہیں اور......؟ ہماری بے حسی کا یہ عالم ہے کہ اگر ایک علاقے کے مسلمانوں پر ظلم وبربریت کے پہاڑ ٹوٹتے ہوں تو دوسرے علاقوں کے مسلمان نہ انفرادی سطح پر اور نہ ہی اجتماعی طور پر ان کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور نہ ان کے دکھ درد ومصیبت کو ہی بانٹ کر کم کرتے یا ختم کرنے کی کوئی کوشش کرتے ہیں۔ بلکہ ریگستان کے کنویں کی طرح اپنی اپنی جگہ ساکت وجامد بیٹھے تماشائی بنے رہتے ہیں۔ ہماری اسی کمزوری وباہمی افتراق وانتشار کا نتیجہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دشمن طاقتیں جب اور جس جگہ چاہتی ہیں ہمیں درد وکرب کی بھیانک تصویر بنا کر چھوڑ دیتی ہیں اور ہم ہیں کہ...... ہمارے جذبات اخوت میں ذرہ برابر بھی ارتعاش نہیں ہوتا۔ یہ محض ہمارے ٹوٹ پھوٹ کر بکھرنے اور کئی خانوں میں بٹ جانے کی عملی تصویر کی نشاندہی کرتی ہے۔ جبکہ ارشاد ربانی ہے:

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام رکھو اور تفرقہ میں مت پڑو۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ خود اپنے گھر واہل خاندان اور اعزہ واقارب کے درمیان دل پھٹے

ہوئے ہیں، آپس میں بغض وحسد نیز نفرت وانتقام کی دیوار حائل ہے۔

خدارا عید سعید کی اس بیکراں مسرت وشادمانی کے موقع پر جو وحدت واخوت پر ابھارتی ہے اپنی پرانی رنجش وتلخ یادوں اور باتوں کو بھول کر دل سے گلے لگ جائیے تبھی اسلامی سماج میں ہر روز اسی طرح عید کی خوشی اور خوشبو پھیل سکتی ہے ورنہ...... نہ مانو گے تو مٹ جاؤ گے اے مسلمانو۔ تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔

آج ہم اپنا تجزیہ کریں اور خود فیصلہ کریں کہ واقعی ہمارے اور امت مسلمہ کے اندر وہی قربانی وہی ایثار وفرمانبرداری، وہی حکم تعمیل وہی اجتماعیت وہی سر تسلیم خم کرنے کا جذبہ ہے؟ (اگر نہیں)

تو پھر یہ کیسی قربانی، کیسا حج، کیسی اجتماعیت، کیسی عبادت، کیسی عبودیت، کیسی للہیت؟.....؟..

ہرگز نہیں، یہ تو صرف اس لئے کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص نے بڑی قربانی کی۔ فلاں حاجی صاحب نے کئی کئی مرتبہ فریضۂ حج ادا کیا۔ فلاں صاحب بڑے متقی، پرہیزگار، بڑے منصف اور انصاف پسند نیز ضرورتمندوں کے حاجت روا ہیں۔ نہیں......! خدارا! ایسا مت کیجئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری نیکیاں برائیوں میں تبدیل ہو جائیں۔ نعوذ باللہ۔ ابھی وقت ہے۔ عقل کے ناخن لیجئے اور ہوش میں آئیے تاکہ امت مسلمہ اب سے متحد ہو جائے اور اجتماعیت واپنائیت نیز وحدانیت کا مظاہرہ ہو اور غیر مسلمین پر رعب ودبدبہ طاری ہو ورنہ ہمارا وہی حشر ہوگا جو آج ہم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

چنانچہ فلسطین، افغانستان، لیبیا، بغداد، کشمیر، تھائی لینڈ اور ہمارے ہندوستان کے شہر گجرات ومیرٹھ، کانپور اور اس طرح کے انگنت شہر ہیں جن کی مثالیں خود موجود ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم آج بھی پختہ یقین اور عزم محکم کے ساتھ ان باتوں کا اہتمام وعمل کریں جن کی تعلیم خود آپؐ نے فرمائی اور اپنے صحابہ کو اس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین بھی کی۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہم کو لم تقولون ما لا تفعلون کا مصداق نہ بنائے بلکہ وما توفیقنا الا باللہ کی سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

بقول شاعر مشرق علامہ اقبالؒ:

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا

مقالات

فطانی ایک بھولا بسرا ملک

ڈاکٹر خالد محمود ترمذی

فطانی تھائی لینڈ کے جنوب میں واقع ہے جہاں اسلام بارہویں صدی عیسوی کے آخر میں عرب ہندی اور ملاوی تاجروں کی کوششوں سے پھیلا۔ فطانی کے باشندے ملاوی النسل تھے اور اسلامی حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ تھائی لینڈ کی بدھ حکومت نے اس پر حملہ کر کے اسے تھائی لینڈ کا حصہ بنا لیا۔ فطانی چار بڑے شہروں پر مشتمل ریاست تھی۔ جالا، ستول، نارتھوات اور فطانی۔ فطانی پر تھائی لینڈ کے قبضے کے بعد مسلمان تمام تھائی لینڈ میں پھیل گئے ہیں۔ شمال، مشرق، تھائی لینڈ۔ ایوتیا اور بنکاک میں خصوصاً کیونکہ مذکورہ بالا چاروں اسلامی شہر تھائی لینڈ کے توسیع پسندانہ عزائم کا شکار ہو گئے۔ فطانی مسلمان ملاوی النسل ہونے کی وجہ سے ملاوی زبان بولتے ہیں۔ وہ اپنے ملاوی ہونے پر فخر کرتے ہیں کہ انھوں نے پہلے یورپی استعمار کا پھر جاپان کا اور پھر امریکی استعمار کا اور سب سے بڑھ کر بدھ استعمار کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔

تعلیمی تحریک اور بدھ استعمار کا مقابلہ

مسلمانوں نے اپنے آپ کو بدھ معاشرے میں ضم ہونے سے اور شمال کے توسیع پسندانہ عزائم سے بچانے کے لئے دینی تعلیم کے فروغ کا سہارا لیا اور اس دینی تعلیم کی اساس ظاہر ہے لغۃ القرآن یعنی عربی زبان کی تدریس اور قرآن مجید کی تعلیم ہے۔ یہ دینی مدارس جہاں ایک طرف عربی زبان کی تدریس اور قرآن کریم کی تعلیم کے مراکز کا کام دے رہے ہیں تو دوسری طرف بدھ مت کے سیلاب اور طوفان کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ جیسے دنیا میں ہنود و یہود اور امریکہ و روس عالم اسلام، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف متحد و مستعد ہو گئے ہیں۔ اسی طرح تھائی لینڈ کے بدھ پیروکار فطانی مسلمانوں اور اسلامی تہذیب و تمدن کے مٹانے کے درپے ہیں۔ فطانی کے یہ اسلامی مدارس اسی طرح بدھ مت کے سیلاب کے مقابلے میں سدِ سکندری کا فریضہ انجام دے رہے ہیں جیسے برصغیر پاک و ہند میں قائم

ہزاروں دینی مدارس مغربی تہذیب و تمدن کے سیلاب بلا خیز کے آگے ایک مضبوط بند کا کام دے رہے ہیں۔ لڑکیوں کے لئے علاحدہ مدارس ہیں۔ ان مدارس کی تفصیل یوں ہے:

[۱] مدرسہ دعوت اسلامیہ بوکیت: یہ ۱۳۹۳ھ بمطابق ۱۹۷۳ء میں بوکیت کے مقام پر قائم ہوا۔

[۲] صوبہ نارتیوات کا مدرسہ اسلامیہ جو نارت روبہ کے شہر میں ۱۳۸۷ھ ۱۹۶۸ء میں قائم ہوا۔

[۳] مدرسہ الہدایۃ الاسلامیہ جس کی بنیاد ۱۹۸۱ء میں رکھی گئی۔

[۴] محمدی انسٹی ٹیوٹ جس کا سنگ بنیاد ۱۳۹۱ھ بمطابق ۱۹۷۱ء میں فطانی رکھا گیا۔

[۵] اسلامی انسٹی ٹیوٹ جس کا ۱۳۹۳ھ میں فطانی میں افتتاح ہوا۔

[۶] مدرسہ دار الامان کا ۱۹۸۵ء میں اجراء ہوا جس میں حفظ قرآن کا اہتمام ہے۔

[۷] روضۃ الاطفال الاسلامیہ جو ۱۴۰۳ھ بمطابق ۱۹۸۳ء میں قائم کیا گیا۔

[۸] الاصلاح انسٹی ٹیوٹ جو جالا کی مجلس الدین الاسلامی نے ۱۳۸۹ھ میں قائم کیا۔ یہ تھائی لینڈ کی حکومت سے تسلیم شدہ Recognized ہے۔

[۹] التربیۃ والدعوۃ انسٹی ٹیوٹ: یہ ۱۹۷۵ء میں قائم ہوا۔

مشہور مساجد:

فطانی کے طول و عرض میں کئی مساجد بھی تعمیر کی گئی ہیں۔ نارتیوات کی مسجد تقویٰ، کبوغ کی مسجد وسطی، مسجد دار العبادہ اور مسجد فراجم جنجو جسے اسلامی حکومت نے ۱۹۸۳ء میں تعمیر کیا تھا۔ مسجد دار الاسلام سب سے قدیم مسجد ہے جسے چالیس سال قبل تعمیر کیا گیا تھا۔ بعض مساجد کویت کے مشہور رفاہی ادارے International Organisation for Islamic Charity اور بیت الزکوٰۃ جمعیت برائے احیاء تہذیب اسلامی اور جمعیت برائے اجتماع اصلاح کے تعاون سے بنی۔ ان اداروں کے صرف کثیر سے تعمیر کی گئی ہیں اور بعض مساجد وہاں کے مخیر مسلمانوں نے اپنے مصارف سے تعمیر کی ہیں مثلاً مسجد روضۃ الجنۃ جو ۱۹۸۲ء میں اٹھائیس لاکھ "بات" (تھائی لینڈ کا سکہ) کے صرف کثیر سے (جو فطانی مسلمانوں نے جمع کیا) تعمیر ہوئی۔ یہ تاریخی مسجد فطانی جنوبی تھائی لینڈ میں ہے۔

اسلامی تنظیمیں:

تمام تھائی لینڈ میں عموماً اور جنوبی تھائی لینڈ میں خصوصاً مسلمانوں نے بہت سی اسلامی جماعتیں اور تنظیمیں قائم کر رکھی ہیں جن کا نصب العین اسلامی تہذیب و تمدن کا بقاء و ارتقاء اور اسلامی ثقافت کا فروغ ہے۔ ان میں سے بعض علمی اور تعلیمی میدان میں سرگرم عمل ہیں بعض دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے رہی ہیں اور بعض دیگر فلاح و بہبود کے امور پر توجہ مرکوز کئے ہوئے ہیں۔ یہ سب بدھ مت کے سیلاب میں اسلامی تشخص کو برقرار رکھنے میں کوشاں ہیں بعض ان میں اسلامی فطانی ریاست کی آزادی کی بحالی کے لئے سرتوڑ کوشش کر رہی ہیں جن میں سے نمایاں یہ ہیں:

[۱] اتحاد الطلبة المسلمين [۲] الانصار السنة المحمدية
[۳] جمعية الشبان المسلمين (نوجوان مسلمانوں کی تنظیم)

مسلم فطانی ریاست کی آزادی کے لئے یہ تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔

[۱] الجبهة الشورية الوطنية فطاني [۲] متحدہ تنظیم برائے آزادی فطانی [۳] تنظیم اسلامی
[۴] جمعیت برائے استقلال فطانی

تھائی لینڈ کی حکومت نے مسلمانوں کے اکثریتی علاقے ناراتیوات میں گوتم بدھ کی ایک بہت بڑی مورتی بنا کر نصب کی ہے جس پر ۲۵۰۰ ملین بھات صرف ہوئے ہیں۔ یہاں دس لاکھ مسلمان آباد ہیں۔

پلِ شہداء: الصیادیغی کے گاؤں میں جہاں مسلمانوں اور بدھوں کی ملی جلی آبادی ہے ایک پل ہے جو ان پانچ شہداء کی یاد میں تعمیر کیا گیا ہے جنھوں نے مسلمانوں کے حقوق کی مدافعت میں بدھ فوج کے مقابلے میں جام شہادت نوش کیا۔

فطانی کرۂ ارض کے نقشہ پر ایک ایسی گمشدہ اسلامی ریاست ہے جس سے اکثر مسلمان بھی واقف نہیں ہیں۔ لیکن اگر آپ وہاں جائیں تو یہ دیکھ کر حیران اور ششدر رہ جائیں گے کہ ان اولوالعزم مسلمانوں نے بدھ مت کا لاؤ لشکر اور سیلاب بلاخیز کے مقابلے میں جو انھیں مٹانے پر تلا ہوا ہے اپنی بے بضاعتی اور بے کسی کے باوجود اپنے آپ کو کیسے زندہ رکھا ہے جو اسلامی تشخص کی بقاء کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ شرک و بت پرستی کے گڑھ میں شمع توحید کو فروزاں رکھے ہوئے ہیں۔

(بشکریہ "ندائے خلافت" لاہور)

تاثرات و احساسات

آہ کو بھی چاہئے اک عمر اثر ہونے تک

ایوب بیگ مرزا

یورپ کے ایک ملک کے ساحل پر ایک گائے دلدل میں پھنس گئی۔ ایک طوفان کھڑا ہو گیا Save the cow, Save the cow کا ہر طرف شور مچ گیا۔ یہ کوئی مقدس گائے نہیں تھی لیکن کیونکہ جان بڑی قیمتی شے ہے اور اہل یورپ کسی بھی جان کا ضائع ہونا بہت بڑا جرم تصور کرتے ہیں لہذا پالتو جانوروں کے لئے ہی نہیں جنگلی جانوروں اور درندوں کی حفاظت کے لئے بھی تنظیم قائم ہیں۔ ان تنظیم اور انجمنوں کے پاس وافر مالی وسائل ہیں اور مرد و زن ان انجمنوں میں اپنا قیمتی وقت بھی لگاتے ہیں اور جہاں کہیں کسی جانور سے زیادتی ہو قانونی کارروائی کرتے ہیں۔ میڈیا کے ذریعے اس زیادتی کو خوب اجاگر کرتے ہیں یہاں تک کہ ریلی اور جلوس نکالنے کا اہتمام بھی کرتے ہیں تاکہ جانوروں سے زیادتی کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کی جا سکے۔ ظاہر ہے ایسے ماحول میں انسانی جان کی قدر کتنی ہوگی۔

اسکول کے بچے سڑک کراس کر رہے ہوں تو تیز رفتار گاڑیاں جام ہو جاتی ہیں۔ ایمبولینس اور ہسپتال کی گاڑیوں کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ان کے لئے فوراً راستہ بنا دیا جاتا ہے۔ ہسپتالوں میں ہر مریض سے V.V.I.P. سلوک ہوتا ہے۔ اور ہر مریض کی جان بچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے۔ حکومت بہترین پیشہ ور افراد اور وافر مالی وسائل مہیا کرتی ہے۔ قصہ مختصر ایک ایک جان بچانے کے لئے جان توڑ محنت کی جاتی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمدردی کا ایسا زبردست جذبہ رکھنے والی یہ سفید فام قوم خون مسلم کو کتنی بیدردی اور بے رحمی سے بہاتی ہے کہ ماضی قریب اور بعید کی تاریخ اس کی مثل کوئی خونریزی اپنے اوراق میں ظاہر نہیں کر سکی۔

حالیہ جنگ و جدل کا سلسلہ ٹائن الیون سے شروع ہوا۔ امریکہ نے اسے خود پر حملہ قرار دیا اور اس کا ذمہ دار افغانستان میں پناہ گزیں اسامہ بن لادن کو قرار دیا۔ حالانکہ انتہائی معمولی سا جسم رکھنے والا

انسان بھی جانتا ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ ایک ایسا ملک جو ترقی یافتہ دنیا سے دو صدیوں پیچھے ہو جدید ٹیکنالوجی سے مکمل طور پر نا آشنا ہو۔ جس ملک میں اکیسویں صدی میں ریل کی لائن نہ بچھائی جا سکی ہو، جہاں کی آبادی کا بہت بڑا حصہ صدیوں پہلے انسان کی طرح جانوروں کی پیٹھ پر سفر کرتا ہو۔ ایسے ملک میں پناہ گزین ایک نہتا شخص دنیا کے انتہائی ترقی یافتہ ملک امریکہ پر یوں حملہ آور ہو کہ اس کی انٹیلی جنس بھی ناکام ہو جائے اس کا فضائی دفاعی حصار بھی دم توڑ جائے۔ پینتیس منٹ کے طویل عرصے تک اس کے بھیجے ہوئے جہاز امریکی فضا میں دندناتے رہیں اور ٹوئن ٹاور اور پنٹاگون سے ٹکراتے رہیں اور امریکی فضائیہ سوئی رہے۔ یہ انہونی باتیں ہیں۔ یہ خونِ مسلم سے ہولی کھیلنے کے لئے تخریب کار اور سازشی ذہنوں نے ڈرامہ رچایا تھا۔ تا کہ امریکی عوام کو یہ تاثر دیا جا سکے کہ جو بدترین خونریزی کرنے والے ہیں وہ امریکہ کو محفوظ و مامون کرنے کے لئے لازم ہے۔ پھر یہ کہ انتہائی مہذب سفید فام قوم قانون کی حکمرانی میں زبردست یقین رکھتی ہے۔ ملزم کو صفائی کا حق بنیادی انسانی حق تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن آج تک کسی نے نہیں پوچھا کہ اسامہ پر لگائے جانے والے الزامات کی تصدیق کن ذریعے سے کی گئی ہے۔ کون سے ثبوت ملزم کے خلاف اکٹھے کئے گئے ہیں اس کی غیر حاضری میں مقدمہ چلایا جا سکتا تھا جس میں اپنا کیس ثابت کرنا امریکہ کے لئے بہت آسان ہوتا لیکن قانونی راستہ اختیار کرنے کا قطعی طور پر رسک نہیں لیا گیا۔ بہر حال افغانستان پر جنگ ٹھونس دی گئی۔ انداز جنگ بھی نوٹ کریں۔ عام طریقہ کار یہ تھا کہ فضائیہ طالبان کے اڈوں پر حملہ کرتی اور زمینی فوج اتار دی جاتی جسے مکمل اور مسلسل فضائی کور حاصل رہتا۔ یہ زمینی فوج طالبان کو شکست دے کر علاقہ پر قبضہ کر لیتی جس سے یہ ہوتا کہ سویلین آبادی کا نقصان نہ ہونے کے برابر ہوتا۔ لیکن جانوروں اور جنگلی درندوں کی جانوں کو بہت قیمتی سمجھنے والی قوم نے افغانستان پر کارپٹ بمباری کی، مسجد، ہسپتال جو راستے میں آئے اسے ملیا میٹ کر دیا گیا۔ اگر طالبان دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے گوریلا جنگ کے لئے خود کو بچا کر پہاڑوں پر نہ چڑھ جاتے تو امریکی درندے جب تک ساری آبادی کو ہلاک نہ کر لیتے زمین پر اترنے کا نام نہ لیتے۔ بہر حال اس پر بھی کہا جا سکتا ہے کہ اپنا ایک ایک فوجی بچانے کے لئے انھوں نے اگر سویلین کو بھی بڑی تعداد میں ہلاک کیا تو یہ جنگ کا حصہ ہے۔

اصل درندگی افغانستان پر قبضہ کر لینے کے بعد سامنے آئی۔ انسانوں کو کنٹینروں میں اس طرح بند کر دیا کہ دم گھٹنے سے وہ تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو گئے۔ قیدیوں کو زمین پر لٹا کر ان کی شہ رگ کاٹی جاتی پھر اس میں تیزاب بھر دیا جاتا جس سے مقتول کا دھڑ اس انداز میں حرکت کرتا جیسے رقص کر رہا ہو۔ پھر اس کے گرد گھیرا ڈال کر رقص کیا جاتا اور بے ہودہ آوازیں نکالی جاتیں۔ اسکول میں پناہ لینے والے ایک سو افراد بلا جواز ہاتھ پاؤں باندھ کر قتل کر دیئے گئے۔ کئی سو افراد کو قتل کر کے ان کی لاشیں درختوں پر لٹکا دی گئیں۔ زندہ انسانوں کو ٹینکوں اور گاڑیوں کے پیچھے باندھ کر گلیوں اور بازاروں میں گھسیٹا گیا۔ قیدیوں کو بدنام زمانہ گوانتانامو کیمپ میں کس طرح لے جایا گیا اور وہاں ان سے کیا سلوک ہوا اور انہیں جانوروں سے بدتر انداز میں پنجروں میں بند کیا گیا۔ جانوروں اور درندوں کو ہر قسم کی زیادتی اور ظلم سے بچانے کے لئے انجمنیں اور تنظیمیں بنانے والوں نے افغانستان میں موت اور ہلاکت مسلط کرنے کے بعد چین سے بیٹھنا گوارا نہ کیا۔ انھیں اچانک یاد آیا کہ عراق کے پاس وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار موجود ہیں جس سے ان کے مہذب اور شائستہ دنیا کی سلامتی کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ لہذا انھوں نے عراق کی اینٹ سے اینٹ بجانے اور وہاں انسانی خون کی ندیاں بہانے کا فیصلہ کیا تا کہ مہذب دنیا پرامن زندگی گزار سکے۔ امریکہ نے ایک بار پھر اس درندگی کے لئے اقوام متحدہ کی اوٹ حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن برطانیہ کے سوا باقی یورپ کو بہر حال شرم آ گئی۔ انھوں نے اس جارحیت پر امریکہ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ یہ انکار سیاسی اور عسکری سطح پر کیا گیا اس کی ایک وجہ یورپ اور امریکہ کے مابین معاشی میدان میں مفادات کا ٹکراؤ بھی تھا لیکن اخلاقی سطح پر امریکہ کو یورپ کی سرکاری حمایت حاصل رہی۔ یہی وجہ ہے کہ جب مزاحمت بڑھی تو فرانس جیسے ملک کے صدر نے کہا کہ ہم عراق پر حملہ کرنے کے حق میں نہیں لیکن ہم یہ نہیں چاہیں گے کہ امریکہ کو عراق میں شکست ہو۔ عراق پر حملہ کرنے کے لئے پہلے وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کا شور مچایا گیا۔ جب اقوام متحدہ انسپکٹروں نے اسے سراسر جھوٹ اور غلط قرار دیا تو امریکہ کو خیال آیا کہ صدام بڑا ظالم حکمران ہے اور وہاں اس نے قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا ہوا ہے۔ لہذا امریکہ کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ عراق کے عوام کو آزادی دلائے۔ لہذا عراق کو آزاد کرنے کے لئے اس پر حملہ کر دیا گیا۔

امریکہ توقع کے عین مطابق بہت جلد عراق پر قابض ہو گیا۔ صدام نے وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کا استعمال پھر کسی وقت پر اٹھا رکھا اور خود ایک زمین دوز تہہ خانے میں چھپ گیا۔ امریکہ نے عراق پر قبضہ تو کر لیا لیکن بعد کے حالات اس کی توقع کے خلاف نکلے۔ اس کی پختہ رائے تھی کہ صدام کے مظالم کی ستائی ہوئی عراق عوام خصوصاً اکثریتی شیعہ آبادی امریکیوں کو نجات دہندہ سمجھ کر اس کے فوجیوں کے گلے میں ہار ڈالے گی۔ لیکن حالات توقعات کے برعکس تھے۔ اور وہاں امریکہ کے خلاف مزاحمت روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ اس مزاحمت کو ختم کرنے کے لئے امریکہ جو کچھ کر رہا ہے اسے ظلم، بربریت، درندگی کیا کہیں؟

راقم انتہائی دیانت داری سے یہ سمجھتا ہے کہ تمام انسانی زبانوں کی لغت عراق میں امریکہ کے کارہائے نمایاں کو مناسب اور موزوں الفاظ کا جامہ پہنانے سے قاصر ہیں۔ مساجد اور ہسپتالوں میں داخل ہو کر زخمیوں اور نمازیوں کو بلاوجہ گولیاں مار دینا، جنگی قیدیوں کو مادر زاد برہنہ کر دینا، انھیں آپس میں جنسی فعل کرنے پر مجبور کرنا، ان کے چہروں پر پیشاب کرنا، گھروں میں داخل ہو کر قیمتی زیورات چوری کر لینا اور خواتین کی بے حرمتی کرنا، فلوجہ میں انسانی لاشوں کے کس طرح ڈھیر لگائے گئے اور بستے بستے شہر پر قبرستان کا گمان ہوتا ہے۔ جو زندہ بچے ہوئے ہیں ان کی زندگی موت سے بدتر ہے نہ اوپر چھت ہے اور نہ کھانے کو روٹی نہ پینے کو پانی۔ کس کس بات پر سر پیٹا جائے؟ کس کس کا نوحہ کیا جائے۔ تجزیہ نگاری تو اب مرثیہ گوئی ہے۔

مسلمان حکمرانوں اور ان کے حواری سرمایہ داروں کے ضمیر مردہ ہو چکے ہیں۔ عوام کے دل مایوسی کی گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوب چکے ہیں۔ زبانیں گنگ ہیں، دلوں پر دہشت اور جسموں پر لرزہ طاری ہے۔ احتجاج پر بھی احتیاط ہونے لگی ہے۔ تھائی لینڈ میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا آزادی اور جمہوریت کے علمبرداروں نے رسمی طور پر مذمت کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی۔ مسلمان ہونا ان کا جرم تھا۔ لیکن بہر حال انسان تو تھے۔ گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان۔ کیسا طوفان اٹھا تھا جب طالبان نے سر بازار نصب ایک مٹی کے بنے ہوئے مجسمہ کو گرا دیا تھا حالانکہ یہ مجسمہ نہ کسی عبادت گاہ میں نصب تھا اور نہ افغانستان میں بدھ مت کا کوئی پیروکار تھا جو اس کی پوجا پاٹ کر رہا ہوتا۔

ایک ڈینئل پرل جو صحافی کے لبادے میں جاسوسی کر رہا تھا پاکستان میں اغوا ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ ہر باشعور پاکستانی نے اس فعل کی مذمت کی تھی۔ پاکستان کو اس پر زبردست جھٹکے دیے گئے۔ حالانکہ مشرف سے لے کر ایک عام پاہی تک ڈینئل پرل کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ اور شاید یہی وجہ تھی اغوا کنندگان نے خوف کے مارے اسے جلد قتل کر دیا۔ آج کے جدید دور میں جبکہ انسانی حقوق، مساوات اور سوشل جسٹس کے نعروں سے کان پھٹے جا رہے ہیں مسلمانوں کے لئے دور جاہلیت سے بدتر حالات بنا دیئے گئے ہیں۔ اس وقت بھی طاقت ور قبیلے کی ایک جان کے بدلے زیادہ سے زیادہ تین جانیں لی جا سکتی تھیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اس ظلم میں مسلمانوں کے حکمران غیروں کے ہمنوا بن چکے ہیں۔ انھیں اپنی کرسیوں اور تخت شاہی کی فکر ہے۔ لہٰذا ان سے خیر کی توقع عبث ہے۔ ہاں البتہ ایک امید بندھ رہی ہے اللہ رب العزت فرماتا ہے "میں اس دنیا میں اگر بعض کو بعض کے ذریعہ دفع نہ کروں تو یہ دنیا محض ظلم کدہ بن جائے گی" اسی قانون کے تحت فرعون کو غرق کیا گیا۔ نمرود کو ذلت کی موت دی گئی۔ اللہ کفر کو برداشت کر لیتا ہے ظلم کو ایک حد سے آگے برداشت نہیں کرتا۔ وہ کسی قوم کو اس کی نمایاں صفات کی بنیاد پر اٹھاتا ہے لیکن جب وہ اپنی اچھائیوں کو غرور اور تکبر سے ظلم و ستم میں ڈھال لیتی ہے تو بش جیسے بدکردار اور ظالم لوگ ان کے حکمران بن جاتے ہیں۔ اور ایسی قوم قانون قدرت کے شکنجے میں آ کر عبرتناک انجام کو پہنچ جاتی ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ اگر عالم اسلام نے اپنے اطوار نہ بدلے تو عین ممکن ہے وہ بھی Survival of the fittest کے اصول کے تحت ملیا میٹ ہو جائے۔ زندہ سلامت وہی رہے گا جو قانون قدرت کے تقاضے پورے کرے گا۔

☆☆☆☆☆

فقہ و فتاویٰ

ابو ارقم فلاحی

سوال: محمود و مستحب دعوتیں کتنی ہیں؟

جواب: مستحب دعوتیں نو ہیں: [۱] ختنہ کی دعوت [۲] بچہ کی پیدائش کے وقت عورت کے محفوظ رہنے کی دعوت [۳] عقیقہ کی دعوت [۴] سفر سے واپسی کی دعوت [۵] نئے گھر کی دعوت [۶] مصیبت کے وقت کی دعوت [۷] بلا سبب کی دعوت [۸] دعوت ولیمہ [۹] ختم قرآن کی دعوت

سوال: کیا ولیمہ کرنا سنت ہے؟

جواب: جمہور فقہاء کے نزدیک ولیمہ سنت موکدہ ہے البتہ بعض فقہاء نے اسے واجب بھی قرار دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو شادی کے بعد ولیمہ کرنے کا حکم دیا تھا ''أولم ولو بشاة'' ولیمہ کرو خواہ ایک بکری کا ہی کیوں نہ ہو۔

سوال: ولیمہ کا مسنون وقت کیا ہے؟

جواب. ولیمہ کا مسنون وقت دخول کے بعد کا ہے۔ بخاری شریف میں ہے آپ ﷺ نے زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ شب زفاف گزارنے کے بعد لوگوں کو ولیمہ پر مدعو کیا۔

سوال: کیا ولیمہ کی دعوت میں شرکت واجب ہے؟

جواب: ولیمہ میں شرکت اس وقت واجب ہوگی جب ولیمہ شرعی ہو یعنی اس میں درج ذیل شرطیں پائی جارہی ہوں: [۱] داعی آزاد، بالغ اور عقل مند ہو [۲] دعوت میں صرف مالداروں کو مدعو نہ کیا گیا ہو۔ [۳] کسی مطلب یا ڈر یا خوف کی بنا پر دعوت نہ دی گئی ہو۔ [۴] داعی مسلمان ہو [۵] شب زفاف کے بعد پہلے دن ولیمہ کیا گیا ہو۔ [۶] کسی اور نے اس دن اس سے پہلے مدعو نہ کیا ہو۔ [۷] ولیمہ کی مجلس میں کسی منکر کا وجود نہ ہو۔ [۸] مدعو شرعاً معذور نہ ہو۔ ☆☆☆

جامعہ کے لیل ونہار

ڈاکٹر عبدالعلی ازہری صاحب کا توسیعی خطاب:

جناب ڈاکٹر عبدالعلی ازہری صاحب پروفیسر مسلم کالج لندن ۲۹ ردسمبر ۲۰۰۴ء کو جامعہ تشریف لائے۔

بعد نماز ظہر موصوف نے شعبہ اعلیٰ کے طلبہ و اساتذہ سے ابو اللیث ہال میں خطاب کیا اور بتایا کہ اس وقت ساری دنیا میں حالات مسلمانوں کے لئے انتہائی خراب ہیں تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ صورت حال یہ ہے کہ ہر جگہ مسلمان ظلم وستم کا نشانہ بنائے جارہے ہیں اور کوئی مسلم ملک صدائے احتجاج بھی بلند کرنے والا نہیں ہے۔ ان حالات کا تقاضہ ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریاں سمجھیں اور مناسب انداز سے اپنا پیغام دنیا کے سامنے رکھیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کی ایک کمزوری یہ ہے کہ اکثریتی طبقہ سے الگ تھلگ رہتے ہیں، ہمیں روابط بڑھانا چاہئے اور مشترک مسائل کے لئے مل جل کر کام کرنے کی طرح ڈالنی چاہئے۔ جنرل الیکشن میں ملک کے عوام نے یہ دکھا دیا کہ وہ جارحانہ فرقہ پرستی کی علمبردار طاقتوں کی حمایت نہیں کرتے اور ان کو ووٹ کی طاقت سے اقتدار سے بے دخل کر دیا۔ یہ ایک غیر معمولی بات ہے جسے ساری دنیا نے واضح طور پر محسوس کیا۔ ہمیں اپنے مذہب پر سختی سے عمل کرتے ہوئے جہالت، غربت اور جہیز کی لعنت جیسے مسائل کے بارے میں مشترک کوشش کرنی چاہئے۔

نبی ﷺ رحمت للعالمین بن کر آئے تھے، اسلام رحمت اور حسن اخلاق سے پھیلا۔ آج اسی کردار کی ضرورت ہے۔ زبانی جمع خرچ سے کچھ نہیں ہونے والا ہے۔ ہمیں عمل سے ثابت کرنا ہوگا کہ ہم ساری انسانیت کے خیر خواہ ہیں۔ ہندوستان میں جو مواقع حاصل ہیں ان کی قدر کیجئے اور اپنے علم وعمل سے پورے سماج کو فائدہ پہنچایئے۔ فارغین مدارس کو مختلف میدانوں میں آگے بڑھنا چاہئے اور اپنی صلاحیت سے مواقع پیدا کرنے چاہئیں۔ آپ کو معلوم ہے News Week کا ایڈیٹر ایک گجراتی مسلمان ہے۔ آج مسابقہ کا دور ہے ہمت اور حوصلہ پیدا کیجئے۔ ہمارے ملک کا سب سے بڑا مسئلہ بدعنوانی ہے اس کا علاج آپ کے پاس ہے۔ تیاری کے ساتھ دعوت کا کام کیجئے اور اپنے کردار کی خوشبو سے سماج کو معطر کر دیجئے۔

نتائج انتخابات جمعیۃ الطلبہ و جمعیۃ الطالبات:

رواں تعلیمی سال ۰۵-۲۰۰۴ء کے لئے جمعیۃ الطلبہ / جمعیۃ الطالبات کے درج ذیل ذمہ داران کا انتخاب عمل میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان منتخب طلبہ وطالبات کو اپنی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

☆ ذمہ داران جمعیۃ الطلبہ برائے ۲۰۰۵ء:

[۱] سکریٹری ذکی الرحمٰن [۲] لائبریرین محمد ساجد
[۳] معتمد خطابت نصیر احمد [۴] معتمد تحریر سراج احمد
[۵] معتمد رسائل انعام الرحمٰن [۶] کیمپ مانیٹر ابو المجاہد

☆ ذمہ داران جمعیۃ الطالبات برائے ۲۰۰۵ء:

[۱] سکریٹری نازیہ تبسم (معاون) عائشہ تمکین [۲] معتمد تحریر شیریں ناز (معاون) عریشہ منصور
[۳] معتمد تقریر مریم حمید (معاون) نور الصباح اسحاق [۴] لائبریرین آصفہ سراج (معاون) راضیہ خانم
[۵] کیمپ انچارج بشریٰ اطہر (معاون) نازیہ [۶] اخبار و رسائل عریشہ عمران (معاون) تبسم شفیق
[۷] اقبالی نور افضال (معاون) زینت اشفاق

اظہار تعزیت:

یہ خبر جملہ فلاحی برادران کے لئے بے حد تکلیف دہ ہوگی کہ جناب ڈاکٹر عبد الاحد فلاحی صاحب کے والد محترم اور صدر انجمن طلبہ قدیم جناب مولانا رحمت اللہ اثری صاحب کے خسر جناب محمد قاسم صاحب ۱۵ رمضان المبارک بروز شنبہ ۲۰؍ نومبر کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ایسے ہی یہ خبر بھی فلاحی برادران کے لئے سوہان قلب و روح ہوگی کہ ماہ دسمبر میں جناب معین الدین صاحب فلاحی کی والدہ محترمہ انتقال کر گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یہ خبر بھی وابستگان جامعہ کے لئے بے حد تکلیف دہ ہوگی کہ محترم مولانا مطیع اللہ فلاحی صاحب کے خسر جناب حفیظ اللہ صاحب عرف جمعیت علی صاحب دسمبر میں انتقال کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ ان مرحومین کی بال بال مغفرت فرمائے ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ (آمین)

نو واردان بساط چمن:

ماہ جنوری کے اوائل میں شعبۂ اعلیٰ طلبہ میں حدیث وفقہ کی تدریس کے لئے جناب مولانا ظفر احمد اعظمی صاحب کی تقرری عمل میں آئی ہے۔ موصوف "الدعوۃ والدراسات الاسلامیہ من المعہد العالی بمکۃ المکرمۃ" سے تعلیم کی تکمیل کی ہے۔ فراغت کے بعد ملک اور بیرون ملک کی اداروں میں طویل تدریسی خدمات کا تجربہ بھی رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو اپنی مفوضہ تدریسی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عنایت فرمائے۔

☆☆☆☆☆